

دیوانِ ظفر علی خان

مولانا ظفر علی خان



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

دیوان مولانا ظفر علی خان

مولانا ظفر علی خان

مُرتب
تنویر احمد

عالمی پبلشرز کمپنی
پبلشرز کمز نمبر 1۔ منیر مارکیٹ
اُردو بازار ○ لاہور

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

ناشر

تنویر احمد

تعداد

500

پرنٹرز

گنج شکر پرنٹرز

قیمت

160 روپے

میرگناہ

میرگناہ یہی ہے کہ مجھ کو ہے اصرار
 کسی سے جرم یہ سہرزد اگر ہوستی میں
 شہید گنج کی مسجد کی بازیابی پر
 توحید شرع نہ جاری ہو کیوں شرابی پر
 مری نظر میں ہیں مسجد کے منبر و محراب
 جمی ہوئی نظر احرار کی ہے "لابی" پر
 ہے اس زمانہ میں اچھا اگر کوئی مذہب
 تو ہو وہی جسے قرباں کریں رکابی پر
 علیؑ کے بازوئے خیر شکن کی مجھ کو قسم
 کہ ناز مجھ کو بھی ہے اپنی بوترابی پر
 قریب ہے کہ قیامت بپا ہو دنیا میں
 خدا سے پاک کی تعمیر کی خرابی پر

ہے لکھنؤ کو بھی آج اتفاق دہلی سے
 مرے کلامِ مرصع کی لا جوابی پر

۲۱ جون ۱۹۳۶ء

شک و اسلام

ہم مسلمان ہیں ازل سے شرک ہی جو کچھ کاف
 بولہب کی شان ہو یا ہو غلام حمد کی آن
 ہم نے اُن کے ساتھ نیکی کی اُنہوں کی بدی
 تیر موبنجی کا کبھی دل میں ترازو ہو گیا
 مشرق و مغرب کے احسان ہیں ہمارے سینہ پر
 خواجہ وہلی کو جا کر کوئی دے میرا پیام
 عافیت را با نظر بازی فراق انتادہ ہو

قادیان کا اس میں ہیکل ہو کہ ہولند کا دیو
 ملت بیضا کے ساتھ ان کا ہی پہلے دن بیر
 اور کر سکتے تھے کیا اسلام سے بڑا وغیر
 اور کبھی سنگین چرچل کی گئی پہلی میں پر
 اُس کے بھالوں کے کچھ کے اس کی بنڈ توں کے فیہ
 ”در مقامات طریقت ہر کجا کر دیم سیر

۲۳ جون ۱۹۳۶ء

پیمان الست کی تجدید

رحمتیں کو نین کی نازل ہوں نیلی پوش پر
تازہ جس نے کر دیا افسانہ عہد الست
بزم میں خمخانہ بطحا کا سیا آگیا
نشہ ٹپکاتی گئی آنکھوں میں جس کی چشم مست
غیب سے آزاد مئی کا دل کے سامان ہو گئے
کر رہا ہے رب اکبر آپاس کا بند و بست
لہرزہ طاری ہو رہا ہے کفر کے اندام پر
دیکھ کر مومن کی صورتوں میں بت پرست
وقت آپہنچا کہ چوتھے ناتواں ہوں سر بلند
اور توانا جس قدر ہیں سب کے سب نیرست
وقت آپہنچا کہ گھر آباد ہو اللہ کا
اور چہ نہیں اس کو ڈھایا ہوں دلیلِ دُخوارِ ست

خوفِ غیر اللہ سے خالی ہو جب انسان کا دل
ہرگز اس کو کوئی طاقت دے نہیں سکتی شکست

۲۶ جون ۱۹۳۶ء

اسلام کی رسوائی احرار کے ہاتھوں

ہندوؤں سے ہر نہ سکھوں سے نہ سرکار سے ہر
 حرف پنجاب میں ناموس نبی پر آیا
 گلہ رسوائی اسلام کا احرار سے ہر
 قائم اس ظلم کی بنیاد ان اشرار سے ہر
 اس میں طاقت ہو تو کریاں کی جھنکار ہو
 پانچ لگوں کا ہے پابند شریعت کا امیر
 آج قرآن کو کہتے ہیں وہ "نطفہ" اپنا
 آج قرآن کی توہین وہی کرتے ہیں
 آج اسلام اگر ہند میں ہو خوار و ذلیل
 تو یہ سب ذلت اسی طبقہ غدار سے ہو
 جس کی رونق کی نمود احمق مختار سے ہو
 کیا قیامت ہو کہ اللہ کا گھر ہو دیار
 ہے یہ سب مسجدِ مظلوم کی فریاد کا فیض
 جس قدر روٹ پکٹا مرے اشعار سے ہو

۷ جولائی ۱۹۳۶ء

فضل حسین مرحوم

آتا ہی بگائے کو نہ بیگانے کو چین آج فردوس کے عازم ہوئے فضل حسین آج
 کشتابے شہماگ آج سیاست کا وطن میں برپا نہ ہو کہوں ہند میں یہ شور یہ شین آج
 پنجاب کو دیتی گئی موت اُس کا یہ پیغام سب تفرقے مٹ جائیں کہ یہ فرض ہو عین آج
 دنیا کی نگہ سے نہ ہوا جو کبھی اوجھل اسلام کی محفل میں ہر وہ زیب نہ زین آج
 لاہور کی پہنائیوں سے تابہ فلسطین ہیں کان تو سن لے کوئی جواؤں کے بین آج
 محفوظ ہے خطرہ سے نہ مکہ نہ مدینہ بے تاب ہے ہر ذرہ خاکِ حرمین آج

اللہ سے پھر رشتہ اگر جوڑ لیں اپنا

ملتی ہے ہمیں زندگی بدر و حنین آج

۱۲ جولائی ۱۹۳۶ء

فٹ بال

اسلامی ٹیم کی فتح اور انگریزی ٹیم کی شکست

جن کے بازو کھٹے قوی آج وہ مغلوب ہو
مرتبہ ہو گیا اسلام کا دنیا میں بلند
ہنس رہے ہیں وہ خداوند ہر جن کا معبود
نشہ ہو چلنے کو ہر سائے حریفوں کا ہرن
نشہ فتح سے کلکتہ ہے سارا مشرار
نہیں معلوم کہ پہنچیں گے مسلمان کہاں
کیا عجب سلطنت ہند بھی سختی ان کو
جس خدا میں ہر یہ قدرت کہ کہے نیست کوہست

یہ دل افروز ترانہ ہوا جس دن موزون
عیسوی سال کی تاریخ وہ تھی پانچ اگست

۵۔ اگست ۱۹۳۶ء

کلکتہ

مجلس اتحادِ ملت کو لکھنے جبل المتین کلکتہ
 سارے ہندوؤں کی دولت کو کہنے ملکِ بیدین کلکتہ
 کفر ہگلی میں جا کے ڈوب گیا دیں ہوا ہے کمین کلکتہ
 اثرِ سجدہ ہائے پرہم سے ہوئی روشن جبین کلکتہ

ہر طرف پھرتے ہیں نیلی پوش
 آسماں ہے زمین کلکتہ

کلکتہ۔ ۱۰۔ اگست ۱۹۳۶ء

لندن کے قانون

مدینہ کے آئین کی آویزش

کام انگریز کو مونیہ سے مجھے دین سے ہے
 اُس کے قانون کی ٹکر مرے آئین سے ہے
 خونِ اسلام سے گلہنگ ہوا حوضہ قدس
 خبر اڑتی ہوئی آئی یہ فلسطین سے ہے
 سینہ توحید کے بیٹے کا مشابک ہے اگر
 تو وہ تثلیث کے فرند کی سنگین سے ہے
 جس سے گلہنگ ہوا مسجد لاہور کا صحن
 نسبت اُس خون کو میری ہی شراثین سے ہے
 کب دبا سکتی ہے اُس نعرہ کو توپوں کی گرج
 جو بلند آج مراقش سے تو گل چین سے ہے

قادیان مُردہ ہے اور زندہ جاوید ہوں میں
 عشقِ قرائں سے مجھے اُس کو براہین سے ہے
 خوفِ موخِی کو نہیں آج ہمارے لٹھ کا
 اُس کو ڈر ہے تو پٹھانوں کی قراہین سے ہے
 ہے طبعی یہ وہ ڈرجہ جس سے نہیں کوئی مفر
 یہ وہ خطرہ ہے جو کجشک کو شاہین سے ہے
 کانگریس میں بھی ہیں کچھ مردِ مگر حق ہے یہی
 گرم ہنگامہ ہند اس کی خواتین سے ہے
 کیوں ہم آغوشِ اجابت نہ دُعا ہو میری
 جا ملی عیش پہ جبریل کی آہین سے ہے
 چمنستانِ معانی میں اگر ہے رونق
 تو وہ میرے ہی دلِ افروزِ مضامین سے ہے
 چودھویں رات کا چاند آپ ہے ساماں اپنا
 مطلب اُس کو نہ پرہیز ہے نہ پروین سے ہے

کلکتہ ۱۱۔ اگست ۱۹۳۶ء

نظامِ اسلام

ورتشاں مغربِ مشرق میں ہر سارا نظام اپنا
 شرابِ خاندہ ساز آنی ہو بطل کے ٹمٹماں سے
 رسول اللہ کی عزت پہ ہم مٹنے والے ہیں
 ہمارا سر نہیں جھکتا ہو غیر اللہ کے آگے
 محمد کی غلامی کا کمر سے باندھ کر پڑکا
 بڑا کون اور چھوٹا کون ہے بکھیں گے خود ہند
 اُدھر مہرِ منیر اپنا اُدھر ماہِ تمام اپنا
 سیستہ مبارک ہو کہ گردش میں ہو جامِ اپنا
 زمیں سے عرشِ عظیم تک اُچھلنے کو ہوا اپنا
 مجھ کا ناقصہ و کسریٰ کی گردن کو ہر کالمِ اپنا
 بنالیں گے کبھی انگریز کو بھی ہم غلامِ اپنا
 اگر اللہ کو ہم لائیں اور وہ لائیں رام اپنا

نہال اپنی ہر اورو جو زباں ہندوستان کی ہر

اسی بولی میں ہم دیتے ہیں گاندھی کو پیامِ اپنا

کلکتہ ۱۴۔ اگست ۱۹۴۶ء

ساقی

برمانکے دوسرے سفر کے سلسلہ میں جو اگست ۱۹۳۶ء میں شروع ہوا میں کلکتہ میں میاں تلج محمد صاحب تاجرمیوہ کے ہاں مقیم تھا۔ ایک دن میزبان نے جنہیں ادب اردو سے خالص ترقی ہے مجھ سے فرمائش کی کہ اس مصرع پر چند کیف آور کر رہیں لگا دوں ع تشنہ کامی مری تو پین تیری ساقی اُن کے امر کا امتثال اشعار ذیل میں کیا گیا۔

تیری محفل میں دو عالم کو ہے سیری ساقی ”تشنہ کامی مری تو پین ہے تیری ساقی“
 محتسب کا اُسے ڈر ہو جسے وہ دیکھ بھی لے خُم کا منہ کھول کہ ہر بات اندھیری ساقی
 مے پلانی ہے تو لا خمدہ بطحا سے ورنہ تسکین نہ ہوگی کبھی میری ساقی
 ہند کی خاک سے اٹھ کر میں قدم لوں اُس کے آئے شرب سے جو کرتا ہوا پھیری ساقی
 مصلحت سوزیوں کی فوج کی بلغار ہے آج
 جس نے بستی تری بہمت سے گھیری ساقی

کلکتہ۔ ۱۵۔ اگست ۱۹۳۶ء

مسجد شہید گنج کی ریکار

شہید گنج کی مسجد پکارتی ہے تمہیں
 جو بال سے بھی ہو باریک نشہ سے بھی ہو تیز
 وہ اُس جہاز سے جو گھر گیا ہو طوفاں میں
 وہ آپ اُجڑتی ہو لیکن تمہیں بساتی ہے
 لگا کے غارہ حُسنِ حیاتِ لم یزلی
 جو چاہتے ہو کہ آباد ہو تو اُس کو بچاؤ
 شہید گنج کی مسجد پکارتی ہے تمہیں

کلکتہ ۱۶۔ اگست ۱۹۳۶ء

اپنی اپنی قسمت

قادیان پہلے تو پا پا کا بڑا بھائی بنا
مذہبی صرافہ میں نرخ اُس کا گزرتا ہی گیا
پھر وہ انگریزوں کے گھر کا معتبر بنائی بنا
پیسہ سے دھیللا ہوا اور دھیلے سے پائی بنا
کوئی بھٹنا ہو گیا کوئی بچھلپائی بنا
دیکھ لو جا کر ہستی مقبرے والوں کا حال
گھر کی اکثری ہوئی گردن کی نکٹائی بنا
شکر کے چکے محے گالوں کا پوڈر ہو گیا
اک نیا کذاب پیدا جب ہوا پنجاب میں
قادیان اس طفلِ ناہموار کی دانی بنا

اپنا اپنا ہے مقدر اپنا اپنا ہے صیب

ہو گیا کوئی مسلمان کوئی مرزائی بنا

رنگون - ۲۸ - اگست ۱۹۳۶ء

فیصلہ کلابِ قضا

پہنچتا ہو جہاں مسلم بناتا ہے وہیں مسجد
 بوقت فجر اگر ہو باجمِ اطلس مسجد گاہ اس کی
 عبادت گاہ مومن کی زمین سے آسمان تک ہے
 بتاتی ابیض و اصفر کو ہے آدابِ دنیا کے
 اچھا لا جذبہ توحید نے عالم میں نام اپنا
 ہم اس کے ذرہ ذرہ پہنچھا ورجان کر دیں گے
 پائے مال کو ہتھیار ہا ہو دستِ شوخ اُن کا
 لگائے زور کفر اپنا، اُبت اس میں چھپ نہیں سکتے

ہو اس اللہ والے کے لئے ساری زمین مسجد
 تو بنتا ہے عشا کو سایہ دیوار چیں مسجد
 کبھی فرشِ زمین مسجد کبھی عرشِ بریں مسجد
 سکھاتی اسود و احمر کو ہے ارکانِ دین مسجد
 ابھارا جس نے اس جذبہ کو ہو وہ بالیقین مسجد
 کہ ہے وابستہ ناموس ختم المرسلین مسجد
 انہیں کہہ دو کہ ہو اللہ کی ملک میں مسجد
 کہ سے سزا ہو، دیو میں کی آتش مسجد

محافظِ ربّ کعبہ آپ ہوگا اپنی پونجی کا
خدا کو چھوڑ کر رکھا ہو اس کو بت کی چوکھٹ پر
کوئی کنٹریری کے پادری سے بر ملا کہہ دے
حیاتِ جاوہاں سختی ہی پیغمبر نے اُمت کو
جہاں اس وقت خاک اُڑتی نظر آتی ہو سکھوں کو
کہہ ہے سرِ پایہ تہذیبِ بطحا کی ایسے مسجد
نہ ہو کیوں بالوی جی کی جبین پر نکتہ چیں مسجد
ہوِ ثلثِ آفریں گر جا ہو تو حیدِ آفریں مسجد
سناتی ہے یہی پیغامِ رب العالمین مسجد
وہاں مسجد بنے گی اور وہ بھی مر مرے مسجد
یہی ہے فیصلہ لاہور کے گنجِ شہیدان کا
کبھی انگریز کے قبضہ میں رہ سکتی نہیں مسجد

رنگین۔ ۲۹۔ اگست ۱۹۳۶ء



نوید آزادی ہند

رٹاؤن ہال رنگون میں کانگریس کے علم لہرائے جانے کی تقریب پر

وہ دن آنے کو ہے آزاد و جب ہندوستان ہوگا
 علم لہرا رہا ہوگا ہمارا راتے سینا پر
 زمیں والوں کے سرخم اس کے آگے ہوئے ہوں گے
 برہمن مندروں میں اپنی پوجا کر رہے ہوں گے
 جنہیں دو وقت کی روٹی میسر نہیں پڑتی
 من و تو کے بیٹنے خرخشے ہیں مٹ چکے ہوں گے
 مبارکباد اس کو دے رہا سا رہاں ہوگا
 اور اویسچا نشاںوں سے ہمارا یہ نشان ہوگا
 سلامی دے رہا جھک جھک کے اس کو آسمان ہوگا
 مسلمان دے رہا اپنی مساجد میں اذان ہوگا
 بچھاؤں کے لئے دنیا کی ہر نعمت کا خواں ہوگا
 نصیب اس وقت ہندو اور مسلمان کا خواں ہوگا
 تو انا جب کے فضل سے ہم ناتواں ہوں گے
 غور اس وقت انگلیز ہی حکومت کا کہاں ہوگا

رنگون - ۳۰ - اگست ۱۹۳۶ء

قادیانیاں

پکڑ فولاد سے بھی ہے مری سخت مرا سینہ ہے چکلا اور چوڑا
غلام احمد مرا لوہا گیا مان اٹھایا میں نے جب دین کا ہتھوڑا
ہر اک میدان سے بھاگے قادیانی کہ ان کا پیشوا بھی تھا بھگوڑا
بشیر الدین کا ٹٹو بھٹا مر تل لگے چابک نہ لیکن پھر بھی دوڑا

چڑھی گھی کی کرٹھانی قادیانیاں میں

کنھیا نے تالا اپنا پکوڑا

اگر منہ زور ہے باطل کا گھوڑا تو میرے پاس بھی ہے حق کا کوڑا
چلی پنجاب میں جب دین کی گاڑی تو اڑکا قادیانیت کا روڑا
کیا مرزا نے بدنام انبیاء کو محمد مصطفیٰ تک کو نہ چھوڑا
دئے اسلام کو چپکے جنہوں نے انہیں سے اس نے اپنا رشتہ جوڑا
نبوت لتکڑی اور اندھی خدائی ملا ہے خوب ان دونوں کا جوڑا

یہی اس کی نبوت کی ہے پہچان

کہ مر کر بھی نہ منہ لندا سے موڑا

زنگین
یکم ستمبر ۱۹۳۶ء

مسجد شہید گنج کی شہادت

جس دن شہید گنج کی مسجد ہوئی شہید
 اسلامیوں کے سر پہ قیامت گزر گئی
 اپنوں کا اک گروہ پر ایوں سے جا ملا
 بازی جو ہم نے جیت ہی لی تھی وہ ہر گئی
 اسلام کے حریف کی سنگین کی افی
 سینے میں پیرتی ہوئی دل تک اتر گئی
 رسوائی اپنے دیں کی ان آنکھوں سے دیکھ لی
 حسرت بھری نگاہ ہمارے جدھر گئی

مومن سے پوچھتا ہے یہ کافر براہِ طنز
 تیری ہزار سالہ حمیت کدھر گئی

رنگون ۲۰ ستمبر ۱۹۳۶ء

میر مشاغل

میں صحائف کی ادارت بھی کیا کرتا ہوں یہ خسارہ کی تجارت بھی کیا کرتا ہوں
 سرکشتا ہوں میں ناموں مساجد کے لئے آبِ حنجر سے طہارت بھی کیا کرتا ہوں
 قادیان لرزہ بر اندام مرے نام سے ہو کہ میں دیہاں یہ عمارت بھی کیا کرتا ہوں
 صوفیوں پر جو ہوں نقلی میں بریں پڑتا ہوں بھول کر میں یہ تجارت بھی کیا کرتا ہوں
 یاد عالم کو دلاتا ہوں فرائض اس کے آئے دن میں یہ شرارت بھی کیا کرتا ہوں
 ہاتھ کرتا ہوں اگر صاف میں اپنے اوپر خواں انگریز کو غارت بھی کیا کرتا ہوں
 کیا تعجب ہو کہ احرار بھی گرا جائیں کہ میں پیدا یہ حرارت بھی کیا کرتا ہوں

ہندوؤں کو میں ملاتا ہوں مسلمانوں سے

کانگریس کی میں سفارت بھی کیا کرتا ہوں

تنگوں ۲۰ ستمبر ۱۹۳۶ء

علامہ رشد مکی

خطیب سنی مسجد رنگون

عمل کی جان ہیں اور علم کی روح جناب حضرت علامہ رشد
 جسے بخشی گئی منقارِ بلبل اُسے کہتا ہے مشرقِ خامہ رشد
 بلائیں آکے لیں قدوسوں نے کیا زیب بدن جب جامہ رشد
 ہدایت کی ضرورت تھی زمین کو جب اُترا آسماں سے نامہ رشد
 صدا احسنّت کی آئی فلک سے
 ہوا جس وقت پورا چامہ رشد

رنگون ۲۰ ستمبر ۱۹۳۶ء

مانڈلے

رسول اللہ کی عزت کا لہراتا ہوا پرچم
 میں کلکتہ سے رنگون اور وہاں سے مانڈلے پہنچا
 میں آ پہنچا کہ چھڑکوں قادیان کے زخم پر مرچیں
 مسلمانوں کا منہ بھرنے کو گھی اور کھانڈ لے پہنچا
 نئی تہذیب کا بہرہ پیا نکلا جو روما سے
 تو اپنی ذات کے کچھ بھڑوے اور کچھ بھانڈ لے پہنچا
 ہزاروں آشنا کشتے ہیں جس شفتل کے غمزدوں کے
 ہمارے گھر بھی مغرب وہ نہوتی رانڈ لے پہنچا
 گنوماتا کی آنکھیں لگ رہی تھیں جس پندت سے
 چلا لندن سے لسنٹھ گاؤ اور وہ سانڈ لے پہنچا

دنگون - ۲ ستمبر ۱۹۳۶ء

مجلس اتحادِ ملت

وہ انجمن ہے جس کا نام اتحادِ ملت
 آزادی مساجد آزادی وطن ہے
 اُس فیصلہ کے آگے کیوں سب کے سر خم ہوں
 اے رب کعبہ تیرا گھر آج اُجڑ رہا ہے
 پھلنی ہیں گولیوں سے اسلامبول کے سینے
 کشتوں کے لاکھ پستے لگ جائیں گے تو غم کیا
 سن لیں یہ سننے والے مسجد ملی نہ جب تک
 مسجد کی بازیابی ہے اصل کامیابی
 ملت کے تفرقوں کا آسان ہے مٹانا
 لیکن ہیں قادیانی وجہ فسادِ ملت

شکرِ خدا کہ اُس پر ہے اعتمادِ ملت
 ہے عالم آشکارا یہ اعتقادِ ملت
 قرآن کی روشنی میں ہو جس پہ صادِ ملت
 اُجڑا یہ گھر بسا کر بلا مرادِ ملت!
 پہنچا ہے آسمان تک شورِ نہادِ ملت
 کرتا ہو گھر تقاضا اس کا مفادِ ملت
 اُس وقت تک رہے گا جاری جہادِ ملت
 جب سرِ ہم یہ ہوگی ہم لیں گے واہِ ملت
 لیکن ہیں قادیانی وجہ فسادِ ملت

ملت اگر سمجھ لے میں کون ہوں تو اب بھی
 دونوں جہاں کی دولت ہو خانہ زادِ ملت

رنگون - ۳ ستمبر ۱۹۳۶ء

شانِ احمدِ مجتبیٰ

جو رونقِ عرب کی ہوئی شانِ احمد
 خدا کی محبت کی گہرائیوں نے
 فرشتے یہ کل عرش پر کہہ رہے تھے
 نہ دیکھی ہو تصویرِ رحمت کی جس نے
 ہوئے ریزہ چیں گہ و ترسا بھی اس سے
 ارسطو کی حکمت ہی شرب کی لوٹدی
 بنا ماہِ نو چھک کے نعل اس کے سُم کی
 یہ قصہ نہ ہو ختمِ شامِ ابد تک
 یہاں جنسِ توحید کی نیچتے ہیں

تو زینتِ عجم کی ہوئی آں احمد
 قسم جس کی کھائی وہ ہے جانِ احمد
 کہ کسریٰ و قیصر ہیں دربانِ احمد
 وہ دیکھے سراپائے رخشانِ احمد
 وسیع اس قدر ہو گیا خوانِ احمد
 فلاطوں ہے طفلِ دبستانِ احمد
 بڑھا جب سوئے بدریکہ ان احمد
 گننانے پہ آؤں جو احسانِ احمد
 حکمتِ ناسر سے مرمتِ کمالِ احمد

ہوئی ظلمت کفر کا فور جب سے
 مجھے دین و دنیا کی دولت ملی ہے
 مری مدح کرتی ہے ساری خدائی
 ترانے مرے عرش پر گونجتے ہیں
 یہود اور نصاریٰ کو رہنے نہ دیں گے
 نکالیں گے چُن چُن کر اُن کو یہاں سے
 ہے الٹی عجب کھوپڑی قادیان کی
 اڑائیں گے پُڑے براہین کے ہم
 ہے روشن چراغِ شبستانِ احمد
 کہ ہے میرے ہاتھوں میں جانِ احمد
 ہوا ہوں میں جب سے ثنا خوانِ احمد
 ہیں ہوں عندلیبِ گلستانِ احمد
 عرب میں کبھی جاں نثارِ احمد
 کہ پہنچا ہے ہم کو یہ فرمانِ احمد
 نبی بن گئے ہیں غلامانِ احمد
 کہ بُراہانِ قاطع ہے بُراہانِ احمد

مبارک ہو رندانِ ہندوستان کو

کہ پھر جوش میں ہو خمستانِ احمد

زنگون ۲۷ ستمبر ۱۹۲۶ء

پچھی پچھی

نبوت مجھے بخشی انگریز نے یہ پودا اُسی کا ہے خود کا شتہ
 پلو مر کی بھٹی سلامت رہے ہے جس کی صبحی مراناشتہ
 کنھیا بھی ہوں اور ہمدی بھی ہوں ہے دونوں کی عزت مری داشتہ
 دکھائے نہ توجید آنکھیں مجھے کہ تھلیٹ ہے پرچم افراشتہ
 یہ ہوتی پچھی پچھی کی بروقت "ٹچ"
 جو ہے میری تھیلی زرا نپاشتہ

نگون ۵۰ ستمبر ۱۹۳۶ء

۱۔ مرزا غلام احمد قادیانی کا فرشتہ خاص جنت کے وقت آسمان قادیان سے اتر کر ان کی
 جیب روپے اور نوٹوں سے بھر دیا کرتا تھا۔

اللہ کے پیارے

طریقِ عدل اس انگریزی حکومت کے بھی نیارے ہیں
 ہوئی ہیں مسجدیں ویراں سلامت گم ہو چکے ہیں
 خدا ثابت قدم رکھے ہیں اس آزمائش میں
 ادھر ہیں گولیاں اُن کی ادھر سینے ہمارے ہیں
 نئی تہذیب کی مشعل کے گل ہونے کا وقت آیا
 زمین پر ٹوٹ کر گرنے کو گردوں کے ستارے ہیں
 تباہی آئے گی یورپ کے جنگی دیوتاؤں پر
 فرشتے کر رہے کچھ دن سے آپس میں اشارے ہیں
 نہ پھیران سے خدایا گوشہ چشمِ کرم اپنا
 مسلمان جی رہے تیرے سچے تیرے سہارے

خدا مُنہ چُوم لیتا ہے محبت سے شہیدوں کا

وہی اللہ کا پیارا ہے جس کے کام پیارے ہیں

کسی دن مل ہی جائے گی ہمیں آزادی کامل

بہت دن ہم نے غیروں کی غلامی میں گزارے ہیں

رنگون

۵ ستمبر ۱۹۳۶ء



موجِ خوں

رنگ لائے گا فلسطین کے مسلمان کا خُون
 آپ کہتے ہیں لہو ہے یہ گنہگاروں کا
 ہم اسے سمجھتے ہیں بلفور کے اعلان کا خُون
 خُون نہتوں کا بہا لیتے ہیں بیشک انگریز
 جب میں جانوں کہ کریں اٹلی و جاپان کا خُون
 دل و دیں چھین لیا شرم و حیا بھی چھپنی
 ان کی گردن پہ ہوسارے ستر سامان کا خُون
 نظر آتا ہے ہمیں دامنِ برطانیہ پر
 کہیں افغان کا خُون اور کہیں ایران کا خُون
 وقت آیا ہے کہ گلہ رنگ ہو موجِ یردن
 اس سے مل جائے کوہِ سجد کے افغان کا خُون
 مارشل لا کی ہراک دفعہ پکار اٹھے گی
 کہ ہٹو آپ کی تہذیب کے ارکان کا خُون
 نہیں آسان بہانا عربستان کا خُون
 وقت سے پہلے کہیں حشر نہ برپا ہو جا
 آج بھی گرم ہے بطحا کے شتر بان کا خُون
 کہہ دے جا کر کوئی مغرب کے ہمان بانوں سے
 کہ ہٹو مجلسِ احرار کے ارمان کا خُون
 کرم آباد کی مسجد سے ندا آتی ہے

داؤ کیا دیں گے مری نظم کی پرتاپ "و ملاپ"

جو کیا کرتے ہیں ہر نظم میں افغان کا خُون

رنگون
۹ ستمبر ۱۹۳۶ء

انفاق فی سبیل اللہ

جب ہوئی لاہور کی مسجد شہید مچ گیا شور قیامت کو بکو
 بھاؤ پانی سے بھی سستا ہو گیا بہ گیا اتنا مسلمان کا لہو
 پھر یہ گھر اجڑا ہوا آباد ہو ہے یہ ہر مومن کے دل کی آرزو
 سر کے بل جا کر پڑھیں اس میں نماز آبِ خنجر سے کریں اس میں وضو
 نعرۃ اللہ اکبر ہو بلند اور زبانوں پر ہو وردِ جاہدِ وا
 مال ہی قرباں کرو اس راہ میں جان دینے کی نہیں گرا آرزو
 سن لو جبریل! میں کا یہ پیام لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا

ہو گئے ہندوستان میں ہم ذلیل
 آپہ ورکھ لے مسلمانوں کی تو

رنگون۔ ۹ ستمبر ۱۹۳۶ء

سایہ شمشیر

مری آنکھوں کو منظور آج مشقِ خونچکانی ہو
 کبھی مومن بھی آہی جا بیگا پر ہینر گاری کا
 روایاتِ سلف کو زندہ رکھنا اس زمانہ میں
 علیؑ کے بازوئے زور آزما کی ہر قسم مجھ کو
 محمدؐ کی علامی کا شرف جس کو ہوا حاصل
 ہزاروں مستیاں پیدا ہیں بٹھا کے خمتاں کے
 وہ خوں لہو کی گلیوں کو گلوں کر دیا جس نے
 کروں گا انقلاب اس ملک میں اک روز میں برپا
 ہیں اک وزہوں کے جلوہ گر اس کے سنگھما سن
 کشا یا جس نے راہِ حق میں ہر حبت میں جانپنچا
 میں دینا جاؤں گا یہ مشورہ رنگوں والوں کے

جگر سے تابشِ گاہ مجھ کو رو بسرخ لانی ہے
 شرابِ تیز لاسانی کہ ہنگامِ جوانی ہے
 نشانِ کامگار ہی ہے دلیلِ کامرانی ہے
 کہ یہاں سایہ شمشیر میں صاحبِ قرانی ہے
 سکندر کا وہ ہمتا ہر سلیمان کا وہ ثانی ہے
 نہ ہو کیوں یہ شراب چھی کہ صدیوں کی بُرائی ہے
 مرے مضمون کا عنوان اسی سے اخوانی ہے
 کہ نیلی پوش ہوں ہیں اور مرزا نگارسانی ہے
 کہ صد ہا سال سے دہلی ہمارے راجدانی ہے
 بشارتِ یسعیٰ میں نے ہندوگوں کی بُرائی ہے
 کہ سما میں اساطیر ان کو اتوت کہ بھائی ہے

مبترا ہو کلام آورو کے استقام سے میرا
مرے اشعار کی آمد میں دریا کی روانی ہے

یہ ظلم جب ایک محفل میں پڑھی جا چکی تو کچھ مسلمانوں نے اصرار کیا کہ دو ایک شعر اسی زمین میں

قادیاں شریف پر بھی ہو جانے چاہئیں۔ اس فرمائش کی تعمیل اُسی وقت یوں کی گئی:-

انہیں ٹھہر چہ لینے کے ہیں داتنے کہ میں سمجھا یہ چندہ مانگنے والا یقیناً قادیانی ہے

پلوہر کا وہ آبِ آتشیں اب مجھ کو پلو اے

دوبالا جس سے ہو جاتا نشاطِ زندگی گانی ہے

زلگون ۱۰۔ ستمبر ۱۹۳۶ء



بھائی پرمانند

سایہ شمشیر کے عنان سے جو نظم اوپر درج ہوئی ہے یہ رنگون کے ادیب اب ذوق کو اس قدر پسند آئی کہ اس محفل نے مزید فرمائش کی کہ اسی قافیہ اور اسی ردیف میں ہندو دھما بھما کے نفسِ ناغفہ بھائی پرمانند جی کی بھی توضیح ہو جانی چاہئے۔ امتثالاً للامر اسی محفل میں یہ اشعار موزون ہو گئے :-

جنہیں سمجھے ہو گا نہیں پس کی وہ اتر کی بُند ہیں	انہیں کے فیض سے قائم وطن کی زندگانی ہے
قسم راوَن بھی کھاتا آج جن کی پاکبازی کی	انہیں ستونِ تیر کے بھائی جی کو بدگانی ہے
معافی کا نگہ بس کی بولیوں سے مانگ لی آخر	بڑی ہی بھائی پرمانند جی کی مہربانی ہے
اُلجھنا عورتوں سے اور دینا گالیاں اُن کو	یہ ہر ہندو سبھائی کا سلیقہ خاندانی ہے
چڑایا مٹہ جنہوں نے اودھا کر صنفِ نازک کا	اب اُن کو خیر اپنے کاسہ سر کی منانی ہے
جلال اس وقت ہوا اُن بولیوں کا وید کے قابل	کوئی ہو کا لکا اُن میں کوئی اُن میں بھوانی ہے

ادب سے ہاتھ جوڑے گرا کر ناک بھی رگڑی

معافی بھائی پرمانند جی کی اندامانی ہے

اسلام کے قدم!

ہندوستان میں آئے جب اسلام کے قدم
چلتے اسی پہ کاش دیانند کے بھگت
شیخ اور ربہمن کے نشانات مٹ گئے
ہیں خانہ خدا میں بھی پرے لگے ہوئے
نصرانیوں نے تھامی انا ترک کی رکاب
وہ دن نہیں ہیں دور کہیں گے بھدب
ہر معرکہ میں جن کو عرب نے کیا ذلیل
جھوٹی پیمبری نے سہارا دیا جنہیں
اک آن میں اکھڑ گئے اصنام کے قدم
جو نقش چھوڑتے گئے ہیں رام کے قدم
اس سرزمین میں جب کجے ٹام کے قدم
رکھئے گا مسجدوں میں ذرا تھام کے قدم
چومے ہیں آ کے کعبہ کے خدام کے قدم
اٹلی وجر منی بھی بنی سام کے قدم
بڑھنے لگے اُسی میں اُن اقوام کے قدم
کیوں لڑ کھڑا نہ جائیں اُن اوہام کے قدم

فتنے نئے نئے ہوئے پیدا جہاں گئے
پنجاب کے نبی بد انجام کے قدم

زنگون۔ ۱۱ ستمبر ۱۹۳۶ء

اُٹس

حاشاکہ اس قدر نہیں سارے جہاں کی ٹوٹ
 جتنی ہے ایک سال میں ہندوستان کی ٹوٹ
 گلچیں کے دستِ شوخ کی گیرائیوں کو دیکھ
 سنبل کی ٹوٹ لالہ کی ٹوٹ ارغواں کی ٹوٹ
 اُجڑے ہوئے چمن میں ہے بلبل کا آشیاں
 منظور انہیں ہے شاید اب اس آشیاں کی ٹوٹ
 مغرب کے رہنروں کی نظریں ہے رات دن
 مشرق کے نقدِ امن و متاعِ اماں کی ٹوٹ
 لندن سے جو بچا تھا وہ شملہ میں لٹ گیا
 اور اس پہ مستنزاو ہوئی قادیان کی ٹوٹ

رنگوں - ۱۲ - ستمبر ۱۹۳۶ء

حقوق کی مختلف اقسام

اگر آزادی کامل مراپیدائشی حق ہے
 رگڑنا ناک انگریزوں کی چوکت پہرہ نرضان کا
 مبارک ضبط تولید آپ کو اور آپ جیوں کو
 بنانا عورتوں کی وضع شامل ہو کے نثر میں
 لپٹ جانا کسی مس جو عریانی کی پتلی ہو
 حق اپنی وضع کا ہو جھوٹوں میں نہ بکسنا
 زمین کو ناپتے پھرنا کہ یہ آخر ہماری ہے
 تو کونسل میں گر جانا آپ کا آرائشی حق ہے
 لگانا قمقمے اس پر مرا فرمائشی حق ہے
 بڑھانا نسل آدم کی مرا فرمائشی حق ہے
 کسی سے چھین نہیں سکتا یہ زیبائشی حق ہے
 نئی تہذیب کا بخشا ہوا آرائشی حق ہے
 تو رہنا اپنے محلوں میں بھی اک آرائشی حق ہے
 ازل سے دیو استعمار کا پیمائشی حق ہے

مجان وطن کو قید اور پیمائشی سے بھمکانا

ملوکیت پرست انگریز کا فمائشی حق ہے

رنگون ۱۲۰ ستمبر ۱۹۳۶ء

نوید لا تقنطوا

کفر کی زحشدہ بستی میں اندھیرا کر دیا تین سو تیرہ نے اس کو تین تیرہ کر دیا
 میں شتریاں تھا جہانباں کر دیا اسلام مرتبہ اس نے بلند اس درجہ میرا کر دیا
 مانگتا میں اس سے بڑھ کر اور کیا تجھ سے مڑا تیری ہمت نے خدایا مجھ کو تیرا کر دیا
 اپنے بندوں کو سنا یا مژدہ لا تقنطوا تو نے آبا و ان سیہ بختوں کا ڈیرا کر دیا
 سیکھ لے مجھ سے کوئی آنکھوں میں اتیں کاٹنا میری آنکھوں نے اندھیرا کو سیرا کر دیا
 دی کسی کو حق نے ذلت اور بنایا مالوی بخش کر عزت کسی کو ڈی ولیرا کر دیا
 اندس میں جا ہی پہنچے پھر مرقش کے چول قصر الحمر پہ نصب اپنا پھر سرا کر دیا

میرزا جی کا خدا بھی خوب ہی جس نے نہیں
 پہلے پیغمبر بنا یا پھر کٹیرا کر دیا

زنگون ۱۳۰ ستمبر ۱۹۳۶ء

شورِ قیامت

میں نے مانا کہ مرا پیشہ خطا کو شئی ہے میرے اللہ کا شیوہ تو خطا پوشی ہے
میرے گھر دولت کو نہیں خود آتی چل کر میں ہوں اور اس کی تمنائے ہم آغوشی ہے
مصلحت سے نہ کبھی خبر، کہ سروکار ہوا وہ فقط میری جہاں سوز بلا پوشی ہے
بنہم میں رند جو ہیں مست تو ساقی بھی ہوت جس طرف دیکھئے مدہوشی ہی مدہوشی ہے

جس سے ہو جانے کو ہے شورِ قیامت برپا
کشورِ ہند کے مظلوم کی خاموشی ہے

رنگون ۱۳ ستمبر ۱۹۳۶ء

برما کی برسات

برسات میں برما کی دل آویز فضا دیکھ
سورج کا پتہ پوچھتی پھرتی ہے خدائی
ہر قطرہ باراں میں جو ٹپکا ہے زمیں پر
تیری نگہ شوق پہنچتی ہے جہاں تک
گنبد بھی طمائی ہے کلس بھی ہے طمائی
آئی ہے بے پاؤں صبا اس کو جگانے
رنگوں کی جھیلوں کے کناروں پہ چلا جا
جوڑے کی گل انداز گندھاوٹ پہ نظر ڈال

کشمیر کے بعد آ کے یہاں شانِ خدا دیکھ
بادل کو اس انداز سے گروں پہ گھرا دیکھ
اللہ کی مخلوق کا سامانِ بفتا دیکھ
ہر خطہ میں اک منظرِ اندوہ ربا دیکھ
گو تم کا اندکھا یہ طلا کاڑھ پیا دیکھ
انگڑائیاں لیتے ہوئے سبزہ کی ادا دیکھ
اور نور کے ساپچوں میں حسینوں کو ڈھلا دیکھ
اور غارِ رخسار میں صندل کو ملا دیکھ

بیٹھی ہوئی رنگوں کی مالن ہے سہرا راہ
 لب ہائے عقیقی پہ نہیں پان کی مٹری
 ہر رنگ کے پھولوں سے سید اس کا بھرا دیکھ
 اس رنگ میں تو مٹری خون شہداء دیکھ
 سینہ جو برہنہ ہو تو بانیں بھی ہیں غریاں
 بجلی کی طرح گرتے تھے ہنسنے کی ہے خواہش
 پھر کرنئی تہذیب کا انداز حیا دیکھ
 یکجا گل و بلبل کو کسی باغ میں جا دیکھ
 گھر جن کے مسلمان کو مسلمان سے جدا دیکھ
 اٹھتی ہوئی شرب کی بھی گھنگور گھٹا دیکھ
 ہوتا ہے کوئی دم میں تراکھیت ہرا دیکھ
 ایمان کے پٹکے سے عزیمت کی کمر باندھ
 کرتا ہو پھر اللہ ترے واسطے کیا دیکھ

رنگوں - ۱۴ ستمبر ۱۹۳۶ء



ضبطِ تولید

تقاضا ہے مغرب کی تقلید کا کہ ہو ضبط انہیں ضبطِ تولید کا
 جب اس سرِ پیرے کی ہوئی جستجو تو نکلا وہ سرِ زند تو حید کا
 اشارہ ہو تہذیب نو کا اگر کریں غرقِ تر آں کی تردید کا
 شریعت کی تضحیک کرنے لگے ہوا حوصلہ ہیں کی تجدید کا
 کلو اواشر لو آج عنیاں ہے کتابِ تمدن کی تہید کا
 ہے منظورِ کعبہ کی تخریب انہیں ہے سودا مجھے اس کی تجدید کا
 بھروسہ مسلمان کو ہے اگر تو ہے رب اکبر کی تائید کا
 انہیں دے چکا ہوں میں سہل بہت فقط رہ گیا کامِ تبرید کا
 ہوئی جن کی سو پار مٹی خراب کسے اعمتِ بارِ اُن مواعید کا
 فلسطین آزاد ہو گا ضرور نہیں بند دروازہ امید کا
 مرے دل میں ہو رب اکبر کا خوت نہیں ڈر مجھے اُن کی تہدید کا

مجھ اس سے کوئی منایا کرے

یہی رنگ ہے میری تنقید کا

نگین ۱۵۔ ستمبر ۱۹۳۶ء

اچھوتا سہرا

بہ تقریب عروسی سیٹھ اسماعیل قاسم گوراباوا حسب فرمائش حاجی رحیم بخش مصو

مری طبع رسا فرمائشیں پوری کئے کتنی
نئی فرمائش اب سہر کی بھیجی ہو مصو نے
تقاضا جنگ چاروں طرف سے اہل محفل کا
جواں ل و جواں بخت جواں ملت جو ہو نوشہ
نبار کباد اس تقریب پر دی اس کو پاروں نے
شریک اس تہنیت میں ہو تو سکتا میں نہیں لیکن
نہ لینے دے کی مجھ کو چین میری نکتہ ایجاد
کہ اسماعیل کی شادی ہو اور دھوم کی شادی
یہ چند اشعار کہہ کر میں نے محفل سار گئی باوی
عروس اس کی ہو قلمیم جالستان کی شہزادی
ہو زیب خانہ اسلام اس کی خانہ آبادی
مجھے ڈوبہ کہ ہونے ہی کو ہو سلب اس کی آزادی

نہ پائیں گے گزرنے بیکھ لینا دس چہننے بھی

نیا ہو جائے گا پیدا اک انگہ نبرد کل فرما دے

زنگون ۱۰ ستمبر ۱۹۳۶ء

بُتَانِ رنگون کا طعنہ

اپنے اسلاف کا لینا ہے اگر نام مجھے
خدمتِ خلق ہے طاعت کا حقیقی مفہوم
جان ناموس محمدؐ پہ تصدق ہو مری
مرحمت مجھ کو ہوئی لذتِ آزار کی حرص
سرفروشی ہے مرا پیشہ مجاہد ہوں میں
جلا گئے والی ہے تفتیرِ مسلمانوں کی
آج کے خاک نشیں ہوں گے کل افلاک نشیں
ساتھ توجید کے فرزند نہ دیں گے جس کا
تو موحد ہے تو اغیار کا پھر کیوں ہو دیل
دے تو سکتا ہوں میں اس طعنہ کا ہر ت کو جوا
جس سے تھا کام انہیں کرنا ہو وہی کام مجھے
یہی سمجھائی گئی غایتِ اسلام مجھے
بخشتا ہے تو خدا بخشے یہ انعام مجھے
دے نہ راحت طلبی کا کوئی الزام مجھے
دل و سجادہ و تسبیح سے کیا کام مجھے
عالمِ قدس سے پہنچا ہے یہ پیغام مجھے
دے رہی ہے یہ سبق گردشِ ایام مجھے
نظر آتا ہے بد اس قوم کا انجام مجھے
طعنہ سچ دیتے ہیں رنگون کے اصنام مجھے
گر بتا دیں علماء شرع کے احکام مجھے

ہو گئی مجلسِ احرار یہاں بھی قائم

نظر آتا ہے نیا دانہ تو دام مجھے

رنگون
۱۸ ستمبر ۱۹۳۶ء

تمنائیں!

رنگون سے شمال کی جانب سات میل کے فاصلہ پر تمنائیں ایک پروفق قصبہ ہے۔
یہاں کے مسلمانوں کی دعوت پر اُن کے ایک تبلیغی جلسہ میں شرکت کی غرض سے
میرا وہاں جانا ہوا۔ اور اس جلسہ میں مثنیین جلسہ کی فرمائش پر بیل کی نظم
اُن کی نذر کی گئی۔

میں جب اسلام کا پیغام لے کر	گیا رنگون سے اک دن تمنائیں
کسی اسلامیوں نے بڑھ کے لبیک	جوان و پیر نے خوشیاں منائیں
اخوت کے کرشمے تھے چپ راس	اُنہی کا جادہ ہفت بالا و پائیں
کیا پہلے تو فرشِ راہ دل کو	پھر آنکھیں میرے رستہ میں بچھائیں
مری باتوں سے اُن کے دل کے اندر	تمنائیں مرے دل کی سمائیں
فلسطین کے مظالم کا ہوا ذکر	نمائیں ساری محفل سے یہ آئیں
یہودی کے لہو کی ندیوں میں	مسلمانوں کی تلواریں نہائیں
یتیمانِ عرب کا جب سنا حال	تو آنکھیں آنسوؤں کا ڈبڈبائیں
خدا کی رحمت اُن پر راہِ حق میں	جنہوں نے گردنیں اپنی کٹائیں
مبارک ہیں وہ، ناموس نبی پر	جنہوں نے ٹونجیاں اپنی کٹائیں

شہیدانِ عرب کے خوں کی پوندیں
 صلیبی معرکوں کی بدلیاں پھر
 فلسطین کی فضا میں رنگ لائیں
 پھر اٹھے ہیں وہی غازی جنہوں نے
 سوا و مشرق اودنے پہ چھائیں
 کوئی دن میں نصاریٰ دیکھ لیں گے
 مسیحیت کی بنیادیں ہلا تیں
 کہ ہم نے گردیں اُن کی جھکا تیں
 حیاتِ نو کا جو دیتی ہیں پیغام
 وہ باتیں ہیں نے ملت کو جتا تیں

کھلے گاجن سے آزادی کا عقدہ
 وہ گھاتیں ہیں نے یاروں کو بتا تیں

”تمائیں۔ ۱۸ ستمبر ۱۹۳۶ء“



مہمند

سنتا ہوں کہ سرحد ہونی پھر نعل و سائنش
بے تاب ہوئے سن کے فلسطین کی فریاد
خیبر شکنی مشغلہ صدیوں سے ہر جن کا
باندھے ہوئے تیغ و کفن آٹھنچے مجاہد
پیراہن اسلام میں خیاط عرب کے
کابل کی حکومت سے الجھنے کا ہر سودا
دل چھین لیا جس نے خدائی کا، الہی
جس گرز کی اک ضرب سے البرز ہوا پھو
توحید کے جانباز جگر بند پھراٹھے
ہر گوشہ سے اسلام کے فرزند پھراٹھے
مرحب کی تواضع کو وہ مہمند پھراٹھے
کرتے ہیئے مولا کو رضا مند پھراٹھے
دولت کا لگاتے ہوئے پیوند پھراٹھے
لے کر یہ جنوں لالہ خورشید پھراٹھے
وہ ولولہ ہوتا ہوا وہ چند پھراٹھے
وہ گرز بتا پید خداوند پھراٹھے

عثمان کا لیتا ہوا نام الفت رہ اٹھا

تیمور کی خاطر بھی سمرقند پھراٹھے

مکون ۱۵۰ ستمبر ۱۹۳۶ء

دریاؤ کے سورتی

دریا و ریاست پڑودہ کا ایک دل کشا گھاؤں ہے جو سورت کے شمال میں تین میل کے فاصلہ پر دریا
ناپتی کے کنارے آباد ہے۔ یہاں کے رہنے والے گجراتی مسلمانوں کو جوہر میں بسندہ تجارت لئے
جوئے ہیں زنگون میں دریا ہی سورتی کہتے ہیں۔ میرے عزیز دوست یقنوب گوراباد جو سفر یہاں
ہر موقع پر میرے ساتھ رہے دریاؤ ہی کے باشندے ہیں۔ یہ نظم انہیں کی فرمائش کا نتیجہ ہے:-

زندگی کی ناؤ کھیتے ہیں خدا کے نام پر	اپنی ہمت کے سہارے سورتی دریاؤ کے
پہلے دن سے ہے تجارت مشغلہ اسلام	کیوں نہ پھرتا جڑوں سے سورتی دریاؤ کے
دولت اسلام چکی جس پہ بن کر مہر و ماہ	اُس فلک کے ہیں ستارے سورتی دریاؤ کے
کون ہیں ناموس میں ہر جن کو جال سے بھی غریب	عالم ان میں پکارے سورتی دریاؤ کے!
مسجد لاہور کی عزت یقیناً ہو جال	گر معاون ہوں ہمارے سورتی دریاؤ کے
بسکہ مال اپنا کیا اللہ کے رستے میں صرف	کوئی بھی بازی نہ ہمارے سورتی دریاؤ کے
مسجدیں ان کی ہیں تصویر جال مصطفیٰ	رب اکبر کے ہیں پیارے سورتی دریاؤ کے

کامیابی دین و دنیا کی میسر ہو انہیں
گر سمجھ لیں یہ اشارے سورتی دریاؤ کے

نگون
۱۹ ستمبر ۱۹۳۶ء

زبان کا لوہج

سید ہو یا پٹھان ہو مرزا ہو یا بلوچ
 منطق سنی ہو ان کی تو اپنے ہی سر کو پیٹ
 دیں سے بھی کچھ لگاؤ ہو اس بات کو نوچ
 ممکن نہ ہو اگر یہ تو ان کے ہی منہ کو نوچ
 مسجد کے منہ کو چھوڑ کلیسا کی راہ لے
 پہلا یہ کام کر کہ کسی مس کو جاوے نوچ
 زربفت سے منڈھا جنہیں دست فرنگ نے
 مجھ پوریا نشیں کو میسر کہاں ہے کو نوچ
 کیوں خوش نہ ہو قریب کہیں کئے یا میں
 ایسا گرا کہ پاؤں میں بے طرح آئی ہو نوچ
 میں نے ادب کی بزم کو زخندہ کر دیا
 دہلی و لکھنؤ اہو میری زباں میں لوچ

زنگون ۲۰ ستمبر ۱۹۳۶ء

انسین

رنگون سے بجانب شمال زمیں کے فاصلہ پر انسین کی بستی واقع ہے جہاں کم و بیش پانچ ہزار مسلمان آباد ہیں۔ یہاں کی جامع مسجد میں ۱۹ ستمبر ۱۹۳۶ء کی شب کو زبردست سیڑھ عہد الشکوہ راشن مارچنٹ ایک شاندار جلسہ منعقد ہوا۔ تنظیم مسلمانان انسین کی محبت کے مظاہرینوں سے متاثر ہو کر سپر و فلم کی گئی :-

بساطِ اخوت بچھاتا ہوا	مرے ساتھ آؤ بھی انسین چل
مجھاتا ہوا کفر کی لالٹین	جلاتا ہوا مشعل دین چل
سنانا ہوا وجد پرور رجز	بجاتا ہوا سجد کی بین چل
پڑھاتا ہوا درس توحید کا	سکھاتا ہوا اس کے آئین چل
مٹاتا ہوا نقش تہذیب نو	جماتا ہوا رنگِ تمکین چل
سنانا ہوا مصطفیٰ کی دعا	مچاتا ہوا شورِ آمین چل
جھکاتا ہوا گردن کائنات	اڑاتا ہوا پرچم دین چل
گران سارے کاموں فرصت ملے	کفن ہرے باندھ اور فلسطین چل

لگا ہے فلسطین میں چل چلاؤ

چلا ہے تو بن کرتے اس چل

رنگون
۲۰ ستمبر ۱۹۳۶ء

ایک عالم دیں کی رسم عروسی

مولانا حکیم سعید الدین احمد صاحب ناظم جمعیتہ العلماء صوبہ برما ایک زیریادی خاتون کو
حیالہ عقد میں لائے اور تمائیں میں جہاں آپ اقامت گزریں ہیں۔ آپ نے اپنے احباب کو دعوت
دلیہ دی ہیں بھی اس تقریب سعید پر مدعو تھا۔ متحدہ سخن شناس اور سخن شیخ حضرات نے جو
اس موقع پر جمع تھے۔ مجھ سے ایک بر محل نظم کی فرمائش کی جو یوں پوری کی گئی :-

دوڑتا پھرتا ہے خوں تیزی سے شیخ و شاب کا
نشہ برما کی ہوا میں ہے شراب ناب کا
مذ بھری باتوں کی تنہائی یہاں دیتی ہے درس
جاہلوں اور عالموں کو وانکھوا ماطاب کا
ایک برما کی دھن بھی گھریں لانی ہے ضرور
ہے تقاضا دعوت و ارشاد کے آداب کا
یہ سعادت گر ہو ارزانی سعید الدین کو
ہیں یہ سمجھوں فرض، دہرا ہو گیا یخات کا

جو گیا میدان میں بزمِ عروسی چھوڑ کر
 بن گیا ہمسر رسول اللہ کے اصحاب کا
 بابِ پنجم ہے گلستاں کا یہ میری پھیل بھڑی
 یہ نہیں موقع ہے نوکرِ منبر و محراب کا
 ذوق کے سہرے کو اس سہرے پہ کیوں ترجیح ہو
 کونسا اُس میں لگا ایسا ہے پر سُرخاب کا

رنگون
 ۲۰ ستمبر ۱۹۳۶ء



تشلیث کے نئے اقا نیم

کعبہ سے جدا کیوں نہ کلیسا کا ہو آئین
 ان تین خداؤں میں بڑا سب سے ہی پٹرول
 ڈرتے ہیں مسولینی و ہٹلر تو اسی سے
 پٹرول کے بعد آتی ہو بارود کی باری
 بچھ جائے سرنگ اس کی تو اڑ جاتے ہیں بھاسکے
 باقی ہے اک انڈوم جسے کہتے ہیں فولاد
 اُس کا ہو خدا ایک اس کے ہیں خدا تین
 کرتے ہیں جسے سجدہ زمانہ کے سلاطین
 دبتا ہے کسی سے تو اسی سے ہوتا لین
 اہلیس نے جاری کئے ہیں جس کے فرارین
 ارض حبش و مصر و خطا و ختن و چین!
 ملتے ہوئے دونوں ہیں اس کے بھی تو آئین

اللہ ان آفاتِ ثلاثہ سے بچائے
 حکمرا ہوا نینوں کی پکڑ میں ہے فلسطین

زمون ۲۱۰ - ستمبر ۱۹۳۶ء

ہندوہا سبھا کا حلیہ

دیا ہندوستان کو دیسرا نے بیل کا تحفہ
 کسی کے جوان پر پہن چکا کھن توں اور آٹھ
 سراپا بے کسی کا غرق اطلس اور دیبا میں
 میں اُن کی طرح فارغ فکر فروا سے اگر ہوتا
 نہیں ہر بھائی پر مانند جی کے واسطے ممکن
 ان استعمار کی چیلوں کا جنگل بھی غضب کا ہر
 کوئی ملت سے بچے سلطنت کی گرتا ہر
 وہ دیتے کاش اس کے ساتھ سونے کی سنگوٹی بھی
 نہیں ملتی کسی کو جو کی روکھی روکھی روٹی بھی
 نہیں ملتی کسی بکس کو گاڑھے کی سنگوٹی بھی
 تو دیتی نطف مجھ کو بھیڑیں بھی اور جھنجھوٹی بھی
 کہ رکھیں تاج سر پر اوہ اس سر پہ چوٹی بھی
 نہ چھوڑی میرے جسم کو چمکاں پر ایک بے ٹی بھی
 تو اس کے واسطے تو خاک میں انہ زخوں میں لوٹی بھی

جواہر لال کو ہندو سبھا کیونکر پسند آئے

جواندھی بھی ہر لنگڑی بھی ہر ٹھنکنی بھی ہر ٹی بھی

بگنون - ۲۱ - ستمبر ۱۹۳۶ء

جگر کا اولیں داغ

مری آنجن میں روشن نہ رہا چراغ پہلا
 نہ رہی شراب پہلی نہ رہا ایاغ پہلا
 مری یثربی جہالت مرا ساتھ چھوڑ بیٹھی
 نہ وہ سیر رہا نہ اُس میں نہ رہا داغ پہلا
 نہ وہ حلقہ گل و گل نہ وہ بالیاں بے بلبل
 نہ رہی بہار پہلی نہ رہا وہ باغ پہلا
 مری سلطنت بھی چھینی مری سجدیں بھی نہیں
 وہ بھٹی دل کی ٹیس پہلی یہ جگر کا داغ پہلا
 میں تلاش حق میں نکلا تو ہندو جرم سے آئی
 کہ حق آگہی کے گھر کا ہے یہی سراغ پہلا
 ہے میلہ کی دولت جو ملی ہے تیرا کج
 یہ غراب آخری ہو جو وہ تھا کلاغ پہلا
 وہ اگر عرب کی ضد تھا تو یہ قادیان کی ہٹ ہے
 یہ اللہ دو تیس ہو جو وہ تھا الاغ پہلا

زنگون - ۲۲ ستمبر ۱۹۳۶ء

مروارید کی بارش

کلام اللہ کو اس طرح کرتے تھے نبیؐ ازبر
 کہ جو کچھ سن لیا روح الامیں سے پڑھ دیا فر فر
 ہوئے آتش کدے ہمدرد اور صنم خانوں سے ہٹکے
 خدا کی شانِ بیکتانی کے نثارے بچے گھر گھر
 رسول اللہ کی اُمت کی رنگا رنگیاں دیکھو
 کوئی ابھیں کوئی اصفیٰ کوئی اسود کوئی احمر
 عرب کے سارباں زادوں کی کشور گیر سطوت نے
 جو لوٹا تاج کسریٰ کا تو چھینی مسندِ قیصر
 لٹاتے تھے وہ موتی بسکہ تھا دستِ فراخ اُن کا
 گھر خیز و گھر بینر و گھر رینر و گھر پیر و

رنگون - ۲۲ ستمبر ۱۹۳۶ء

چاء کا کھونٹ اور حقہ کا کش

مے اگر حرام ہے چاء تو حلال ہے دور چاء کا چلے فصل برشکال ہے
 ابر ہے گہر بدوش اور نہوا گہر فروش مہرے گھر میں کیوں کہیں موتیوں کا کال ہے
 ترک شوخ و شنگ کی دیکھ خود نشانیوں خال چہرہ فتنہ رنگ مصطفیٰ کمال ہے
 ہو رہی ہو شکوہ سنج مسجد شہید گنج جو لٹا مری طرح وقف کا وہ مال ہے
 حقہ پی رہا ہوں میں پی کے جی رہا ہوں میں جس میں جی رہا ہوں میں عالم مثال ہے
 گنگنارہا ہوں میں گڑ گڑا رہا ہے وہ سر ملا رہا ہوں میں رہا وہ تال ہے

سمجھے ہو جسے مذاق وہ ہمارے واسطے

زندگی و موت کا آخری سوال ہے

زنکون - ۲۲ ستمبر ۱۹۳۶ء

چاء کا ارغوانی دور

چاء کا دور چلے دور چلے دور چلے
جو چلا ہے تو ابھی اور چلے اور چلے
چاء کا دور چلے دور چلے دور چلے

نہ ملے چاء تو خونِ نابِ جگر کافی ہے
ہرم میں دور چلا ہے تو ابھی اور چلے
چاء کا دور چلے دور چلے دور چلے

دیکھتے دیکھتے پنجاب کا نقشہ بدلا
آنکھوں آنکھوں میں زمانہ کے بدلے طور چلے
چاء کا دور چلے دور چلے دور چلے

جاں کس انداز سے دی جاتی ہے راہ حق میں
جسے کرنا ہو یہ نظارہ وہ لہور چلے
چاء کا دور چلے دور چلے دور چلے

جاں سے تنگ آئے ہوؤں سے جسے ٹکرا ناہر
 اپنے انجام پہ کرتا وہ ذرا غور چلے
 چار کا دور چلے دور چلے دور چلے
 جبر پہ کرتے ہوئے صبر بسوئے مقتل
 خوگر ظلم و جفا و ستم و جور چلے
 چار کا دور چلے دور چلے دور چلے
 مضطرب ہیں کہ شہادت کا نلے جلد ثواب
 تیغ گردن پہ جو چلنی ہے تو فی الفور چلے
 چار کا دور چلے دور چلے دور چلے

رنگون - ۲۳ ستمبر ۱۹۳۶ء



سورج کی شیری کرن

صحن چمنستاں میں صبا گھوم رہی ہے مستانہ اداؤں سے گھٹا جھوم رہی ہے
 چھپ چائے نہ بادل میں کہیں دیکھ کے مجھ کو سورج کی کرن سنبہ کا منہ چوم رہی ہے
 جنگل میں نواسخ ہیں ہر رنگ کی چڑیاں فوج ان کی درختوں میں مچا دھوم رہی ہے
 ہر قوم کو شامل ہے نوازش تری یارب کیوں اُمتِ مہرِ مری محروم رہی ہے
 رنگوں میں جو کچھ مری ان آنکھوں نے دیکھا
 تخیل مری کر اُسے منظوم رہی ہے

رنگوں - ۲۴ - ستمبر ۱۹۳۶ء



بُلاوا

ضرور کیا کہ اٹھا و مسیح کے احساں
 وہ علم علم ہی کیا جو عمل سے ہو خالی
 وہ شہسوار ہنرمیت نہ نام کیا جانے
 ضرورت آج اسی تش فشاں پہاڑ کی ہے
 ملائکہ کی قطاریں لکھ کو آ پہنچیں
 چڑھاؤ جا کے فلسطین کے مزاروں پر
 وہ چل کے جائیں نہ کیوں مسر کے بل ابراہیم کے بل
 یہ کہہ دو ان سے کہ جو موت سے نہیں ڈرتے
 بنا سکیں گے نہ کچھ اس کا مالوی جی بھی
 تم اپنے درد کے چب آپ ہی ملاؤ ہو
 عمل عمل ہی نہیں اس میں گہ دکھاؤ ہو
 دیا سمندر عزیمت کو جس نے کاوا ہو
 اگل رہا جو نئی زندگی کا لاوا ہو
 اگر یہود پہ بطحائوں کا دھاوا ہو
 ہمارے بچوں کا بھی منظور اگر چڑھاؤ ہو
 شہید گنج نے بھیجا جنہیں بُلاوا ہو
 تم ان کو دے رہے کس بات کا ڈباؤ ہو
 ہزار سال سے بگڑا ہوا جو آوا ہو

وہ حوصلہ نہ ہو کیوں آسمان سے بھی بلند
 جہاں ہے ایک بھی مسجد وہ ہے وطن اپنا
 مری مثال جسے دے رہی بڑھاوا ہو
 دیا رو س ہو یا سر زمین جاوا ہو
 ہے آرزو یہی لے دے کہ ہم غریبوں کی
 جب ایک ہو گئی ملت تو کیوں اُس کے لئے
 دریکہ رحمت پروردگار کا وا ہو
 مری نظر مدنی ہو چل اُس کو کیا دے گا
 اطالوی ہو کہ الما نوی چھلاوا ہو

کمی رہے نہ کسی نظم میں قوانی کی
 مراشریک جو یعقوب گورا باوا ہو

دنگون

۲۵ ستمبر ۱۹۳۶ء



ایک تاجر کی عروسی

زمانہ قیام رنگون میں میری روشنی طبع میرے حق میں ایک رنگین بلا ہو گئی جس شخص کی شادی ہوتی بنتی مجھ سے سہرے کی فرمائش کرتا تھا جن گھرانوں میں عروسی کا جشن بپا ہوتا تھا میں التزاماً بلا یا جاتا تھا اور وہاں پہنچتے ہی اصرار ہوتا تھا کہ اگر پہلے سے کوئی پھڑکتی ہوئی نظم نہیں لکھی تو اب ارتجالاً کہہ دی جائے۔ اسی قسم کا اصرار غلام محمد معلم صاحب ندیری نے اپنے ایک عزیز غلام محی الدین صاحب کی شادی کے موقع پر کیا جو مرگونی دہرا کے مشہور تاجر ہیں۔

اشعار ذیل اس اصرار کا خراج ہیں :-

محی الدین سہرا باندھ کر لایا دلہن گھر میں بھرے گھر کو یہ اُس کی خانہ آبادی مبارک ہو
دلہن ہر حسن کی پتلی تو دلہا عشق کا پتلا نظر والوں کو حسن و عشق کی شادی مبارک ہو
نکاح اسلام کی دنیا میں منجبر کی سنت ہے اُسے بھی یہ طریقہ جہے بنیادی مبارک ہو
ہے عجے شیر لانا شرطِ اولِ وصل شیریں کی محی الدین کو یہ شغلِ سرہادی مبارک ہو

خدا وہ دل کمرے دہلی سے مین بھجوں پیام اُس کو
اُسے ہندوستان کا جشنِ آزادی مبارک ہو

مغرب کے کفن چور

مشرق میں غریبوں کی نہیں کوئی رہی گویا
 لکھتا ہوں فلسطین کے شہیدوں کی کہانی
 یہ خون ہو بھی جس کی جھلکتی ہوئی سرخی
 ہیں تیرہ بتاریک کلیسا کی فضا میں
 غلطاں ہو اُدھر خاک ہیں جہنم بشتاں
 سن سن کے اتان ترک کی تلوار کی جھنکار
 فسطائیوں اور نازیوں کی فتنہ گری سے
 تارا ہوئی جاتی ہیں نصاریٰ کی تنگیں
 سرکپڑے ہوئے بیٹھے ہیں مغرب کے کفن چور
 آلودہ لہو سے ہیں مری انگلیوں کے پور
 ہے مایہ رنگینتی افسانہ بلفور
 چھائی ہوئی ہو جس پہ گھٹا جنگ کی گھنگھوڑ
 ہسپانیہ کی نعل اُدھر خوں میں شراب
 روما کا دبا شور تو برلن کی دینی کور
 چرچل ہیں ہر اسیمہ تو وحشت زدہ ہیں ہو
 یارب انہیں کیوں اتنی پلائی گئی ہر ڈور
 ملتا ہے کسی کو نہ یہ ناری سے نہ زرے

انصاف ملے گا اسے حاصل ہو جسے زور

رنگون ۲۰ ستمبر ۱۹۳۶ء

تازگی ایمان کا سامان

خدا نے تم کو بخشی ہے اگر توفیق شنوائی
 تو سن لو میری باتیں جن سے ایمان تازہ ہوتا ہے
 ہمیشہ کے لئے نافوس چپ ہو جائے کاشی کا
 بلند اس گھر میں اب تکبیر کا دروازہ ہوتا ہے
 بٹی کی یہ حویلی ہے نہیں ہو اوج بیچ اس میں
 کسی پر بند اس گھر کا نہیں دروازہ ہوتا ہے
 ہوئیں ہند آشکارا آدمیت سوزیاں جس کی
 پریشاں آج اُس تہذیب کا شیرازہ ہوتا ہے
 یہ ہے قانون قدرت جو ستائیکا غریبوں کو
 بھگتنا اُس کو اپنے ظلم کا خمزانہ ہوتا ہے

وہ گھوڑا بدل گامی جس کی دو بھرتی اچھوتوں پر
 مسلمان ہو کے دیکھیں گے کہ کیوں کر قازہ ہوتا ہے
 رہے کیوں کارواں کے دل میں فکر و رنجی منزل
 کہ سرگرم سفر اسلام کا جہازہ ہوتا ہے
 شہادت دے رہے ہیں گوش استعمار کے پر دے
 کہ شور اسلامبول کا رستخیز اندازہ ہوتا ہے
 عروس سلطنت کے منہ پہ رونق جس سے آجائے
 شہیدوں کے جمال افزا لبو کا قازہ ہوتا ہے

دنگون

۲۷ ستمبر ۱۹۳۶ء



مدح صحابہ

ثنا ہے ابر ستائش برس نہیں سکتا
 خدا کے عرش سے جو اٹھ رہی ہیں پے در پے
 شہید گنج نے جن کو بچا کے رکھا تھا
 اگر ہم اپنے بزرگوں کا نام ادب سے لیں
 دعائیں ہم نے انہیں دیں وہ گالیاں سمجھے
 کشادہ ہو گئیں سجن فرنگ کی راہیں
 بہت افتراق نوازی کے اس میں نہاں ہیں
 وفا شعار ہمارا روش جفا ان کی
 ہوشیہ ہند میں جن کا مداخلت فی الدین
 حضور سرور عالم کے ہم نشینوں پر
 بٹھائے گئے پہرے ان آفرینوں پر
 وہ بل بھی پڑ گئے حکام کی جبینوں پر
 تولوٹ جاتے ہیں کیوں سانپ ان کے سینوں پر
 مریں تو کیا مریں ان لکھنوی حبیبوں پر
 نظام عدل نصاریٰ کے مکتبہ چینوں پر
 مری نظر ہے حکومت کی آستینوں پر
 ٹپے خدائی کی خاک ان کے ان قمریوں پر
 مدایہ امن ہے ان احمق الذینوں پر

ہر ایک ذرہ ہے جن کا اک آسمان نیا

مرے خیال کا قبضہ ہے ان زمینوں پر

دنگون - ۲۸ ستمبر ۱۹۲۱ء

اللہ کی قدرت

اللہ کی قدرت کا نشان ہو مری قسمت
 نکلیں گے مرے دل کے رباں غبی طرح
 وہ آل میں ڈوبے ہوئے نالے ہیں قیامت
 گم تھے نئی تہذیب کے فرسودہ قبائے
 مرزائیوں کے جہل مرکب کے سمی ڈھنگ
 اللہ کے شبروں سے پہ جنگل نہیں خالی
 جس میں ہو سہارا تو فقط گائے کی دم کا
 پنجاب میں الفاظ کی تہذیب کے آداب
 جس کی چمک انگریز کی سنگین سے نکلے
 جس طرح یہود و ارض فلسطین سے نکلے
 جن کی عربی لے عجیبی ہیں سے نکلے
 ڈھونڈا تو وہ پٹرول کے اک ٹین سے نکلے
 ان کے متنبی کی براہین سے نکلے
 کچھ دن میں تمائیں سے کچھ انسین سے نکلے
 اچھا ہوا افسید کراؤں دین سے نکلے
 نکلے تو مرے قاف سے اورشین سے نکلے

ہیں جس قدر انسان کی ترقی کے مراتب

پیغمبر اسلام کے آئین سے نکلے

رنگون - ۲۹ ستمبر ۱۹۳۶ء

قلم

جب نبی کی نعت میں مصروف ہوتا ہوں قلم
 معصیت کی التجا کرتا ہے کاغذ کے سپرد
 کیسے کیسے خوش نما مینتی پر دیتا ہے قلم
 معصیت کے اگلے پچھلے داغ دھوٹتا ہے قلم
 جس کو یورپ کے لف پامیں چھپوتا ہے قلم
 جس سے پیرا اُس کا قلم زم میں ڈالتا ہے قلم
 ابر نیساں کی طرح جس وقت دھوٹتا ہے قلم
 پاؤں پھیلا کر کرب اُن کی طرح دھوٹتا ہے قلم
 جن کی قیمت کے جگانے میں ہر صر اس کا صیر

راہِ حق میں سر کٹا کر بھی نہ چلنے سے رکھا

جاودانی زندگی کا بیج دیتا ہے قلم

دنوں - ۲۹ ستمبر ۱۹۳۶ء

سخن ہائے گفتنی

دیرینہ ہے فرنگ کی اسلام دشمنی
 دنیا کے سب یہودی ہیں انگریز کے حلیف
 تہذیب نو کی جلوہ گری سے خدا بچائے
 مشرق میں آ کے راہ نمائی کریں گے کیا
 آنکھیں دکھا رہا ہو مسلمان کو فرانس
 غافل مگر جو اس سے کڑاں کی بھی پشت پر
 ترکوں سے ایک باتیں ہم بھی نہیں ہیں کم
 ایراں کا تاجور ہے رضا شاہ پہلوی
 اس کی مساعدت کے لئے رونما ہوا
 ہے پہلے دن کی اس سے ہماری کٹا چھنی
 دونوں کے ساتھ جنگ مسلمان کی ٹھنی
 پھیلی ہوئی ہے جس کی فلسطین میں روشنی
 خود اپنے گھر میں مشغلہ جن کا ہو رہنری
 جس کی نظر میں اہل مراقش ہیں کشتنی
 بیٹھا ہوا ہے دشمن چال اس کا جرنی
 ہم بات کے دھنی ہیں وہ تلوار کے دھنی
 اللہ نے دیا جسے زور تہمتنی
 کہا کہ تاج و سلیمان دہن

ان پر ہے مستنزا بیتانِ نخبِ دریں ابنِ سعود کی روشِ ضیغم افگنی
 پیوست ہونے والی ہے قلبِ صلیب میں اسلامپوں کے نیزہ کی جوشن گزارانی
 مسجد سے گرد و ارہ کمیٹی کو کام کیا گھر میں خدا کے آگئیں کیوں یہ تشریفی
 آویزہ ہائے گوشِ نصیحتِ نبوش میں
 دُرہائے سُفتنی ہیں سخنِ ہائے گفتنی

رنگون

۳۰۔ ستمبر ۱۹۳۶ء



نئی وضع کا سلام

لازم ہمارے گھر کو عربی میں نئی نئی
 اوروں کے گھر کا لازمہ شوہر کئی کئی
 یہ اُن پہ لوٹ رنگ ہو جن کا سفید فام
 ہم اُن پرست جن کا سراپا ہے چنپی
 اُن کو اُدھر یہ ضد ہو کہ آنکھیں ہوں نیلگوں
 ہم کو اُدھر یہ کد کہ یہ جادو ہو سرسئی
 مشرق کی بے زری سے یہ کہنہ کہ چپ ہے
 معشوقہ فرنگ کی منطق ہے نفرتی
 تہذیبِ نوجب آئی تو خوفِ خدا گیا
 اور ساتھ ساتھ شرمِ رسولِ خدا گئی
 جب کر بلا کی خاک نے میل کیا اسے
 پھر کیوں نہ لکھنؤ کا دوپٹہ ہوا گرتی

صد ہا سلام بھیج چکا اہل بیت پر
 اب یہ سلام بھیج صحابہؓ پہ مجری

رنگون۔۔۔ ستمبر ۱۹۳۶ء

پندت جواہر لال نہرو

اور

سفرِ روزِ شاہِ سٹھنا

لہرنے لگ گئی کونسل یہ سن کے سٹھنا سے
 بنا رہا ہے قیامت اسے جواہر لال
 ملا رہا ہے ہمارا وقتار مٹی میں
 پھر پگے ملک میں سرمایہ دار ننگے سر
 سکھا کے ڈھنگ مسادات کا غریبوں کو
 جگا کے اُن کو جو سوتے ہیں مفلسی کی نیند
 بنا کے اپنی طرح سوشلسٹان سب کو
 کہ فتنہ روس کا ہم کو تباہ کر دے گا
 سفید کو یہ ستمگر سیاہ کر دے گا
 ہم آج کوہ ہیں کل ہم کو کاہ کر دے گا
 جب اُس کا ہاتھ انہیں لے کلاہ کر دے گا
 محال اُن سے ہمارا نباہ کر دے گا
 کشادہ دست درازی کی راہ کر دے گا
 گناہ گار کھڑے گناہ گار

نظامِ کہنہ بدل کر حوالہ مزدور
 یہ بارگاہِ فلک اشتباہ کر دے گا
 زباں تک آتے ہوئے اب جو چکچکتا ہو
 وہ اُس مطالبہ کو بے پناہ کر دے گا
 اگر ابھی سے نہ روکا اُسے حکومت نے
 تو کانگریس کو وہ انجم سپاہ کر دے گا
 یہ بحث سن کے کوئی فاقہ کش بھڑکا آہ
 تو کوئی پیٹ بھرا واہ واہ کر دے گا
 مگر وہ فیصلہ جس سے ہوں مطمئن یہ فریق
 زمانہ دونوں کے پیش نگاہ کر دے گا
 اگر معلّم افراط ہیں جو اھل لال
 تو آپ ہی وہ انہیں انتباہ کر دے گا
 اگر ہیں رام سرن داس مائل تفریط
 تو اعتدال کی پیدا وہ راہ کر دے گا

خدا کے فضل و کرم کو اگر ہوا منظور
 تو ہر گدا کو وہ فیروز شاہ کر دے گا

رنگون - یکم اکتوبر ۱۹۳۶ء



شیرِ برطانیہ سے عرب کا خطاب

تمہارے دل سے شاید نقشِ اُن کا مٹ چکا ہوگا
 ہمیں وہ دن نہیں بھٹو لے ہیں جب ہم تم پہ مرتے تھے
 بہاتے تھے تمہاری راہ میں ہم خوں مسلمان کا
 اور اس خوں سے تمہاری مشکِ استعمار بھرتے تھے
 تمہارے چاہنے والے قطارِ اندر قطار آکر
 تصدقِ تم پہ ہوتے تھے جدھر سے تم گزرتے تھے
 ہماری ہی خود افشانی کی ساری یہ کرامت تھی
 کہ دُنیا کے ہیں جتنے تاجورِ ب تم سے ڈرتے تھے
 تمہارے ڈر سے پیلا رنگ پڑتا تھا حریفوں کا
 خزاں کے زرد پتوں کی طحکہ کی طرح تھے

دبا جاتے تھے روس اور جرمنی مانند گیدڑ کے
 جب اُن کے جنگلوں میں شیر لندن کے پھرتے تھے
 لگا دیتے تھے پٹھیاں اک داؤں میں سب پہلوانوں کی
 کسی دنگل میں جب لنگوٹ کس کر تم اترتے تھے
 ہمیں جب پاؤں میں روندنا تو خود تم بھی گئے روندے
 گئے وہ دن کہ جب تم ایٹتے تھے اور ہررتے تھے
 فلسطین میں مٹا کر ہم کو آخر تم نے کیا پایا
 ”اسی باعث تو قتل عاشقاں سے منع کرتے تھے
 اکیلے پھر رہے ہو یوسف بے کارواں ہو کر“

دنگون - ۲ - اکتوبر ۱۹۳۶ء



انتظار

پھرتا ہر مری آنکھ میں قیمت کا نیا پھیر
 شہروں کو نیستیاں ہیں شخا لوں نے لیا گھیر
 نگرہی اگر اندھی ہو تو راجہ بھی ہے اندھا
 بھاجی بھی ٹکے سیر ہو کھا جا بھی ٹکے سیر
 چھینے ہیں ہینودی نے مسیحی کی مدد سے
 دولت کے لگا رکھے تھے اسلام نے جو پھیر
 کب ہوگی نمودار خدا یا سحر اس کی
 جس رات نے ڈالا ہو فلسطین میں اندھیر

ہم سے ترا وعدہ ہو کہ ہو خوف کے بعد امن
 یا رب تیرے اس وعدہ کے ایفا میں ہو کیا دیر

دن گون ۴ - اکتوبر ۱۹۳۶ء

شہید گنج کا مقام

عرشِ اشیاں ہو رفعتِ بامِ شہید گنج
 گہرِ وزرِ بکف ہے تو ہر زید سر بکف
 انساں کی طرح جن دمک کی زباں پہ ہے
 اس میں نہیں تمیزِ بریلی و دیوبند
 جس نے پیاسے وہ ہوا زندہ ابد
 گلرنگ جس سے بدر کا میدان ہو گیا
 اللہ کی رضا میں جنہوں نے کٹائے سر
 اسلامیانِ ہند کی تنظیم ہو گئی
 برما کے عارفوں سے یہ جا کر کسے کوئی
 کابل سے چل کتے تا بہ کہستانِ میمبو
 کس درجہ ہے بلند مقامِ شہید گنج
 گھر گھر پہنچ چکا ہے پیامِ شہید گنج
 گونجا ہے کائنات میں نامِ شہید گنج
 پہنچی ہے سب کو دعوتِ عامِ شہید گنج
 کوثرِ صفت ہے بادۂ جاہِ شہید گنج
 تلچھٹ ہے اُس لو کی قوامِ شہید گنج
 ہر صبح و شام اُن پہ سلامِ شہید گنج
 قائم ہوا ہے جب سے نظامِ شہید گنج
 خوشتر ہے صبحِ کعبے سے شامِ شہید گنج
 سب ہیں اسیرِ حلقۂ دایمِ شہید گنج

میرا کلامِ زندہ جاوید کیوں نہ ہو
 ہے موجبِ بقلۂ دوامِ شہید گنج

دنگون
 ۴۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء

جنون عرب

ہاں اے عرب کے جوش میں ڈوبے ہوئے جنوں
منکر کے اعتبار کا سامان جمع کر
نجد و حجاز و شام کی قوت سمیٹ کر
عبرانیوں کو ایک رگڑ میں رگید ڈال
تہذیب نو کے منہ پہ وہ تھپڑ رسید کر
اُٹھ اور عجم کی عقل کی بستی اُجاڑ دے
صحرا کا سینہ چیر سمندر کو پھاڑ دے
یورپ کے پہلوان کا لنگر اُکھاڑ دے
نصرانیوں کو ایک پکڑ میں سچھاڑ دے
جو اس حرامزادی کا صلیب بگاڑ دے

پرچم جہاں بلند ہے عیسیٰ کا آج کل
جھنڈا وہاں جلالِ محمد کا گاڑ دے

دنگون - ۴ - اکتوبر ۱۹۳۶ء

احمد گل

چمن کے صحن میں پڑتی تھی تھی تھی بھوار
غبارِ جن سے گیا سارے سبزہ زار کا دھل
رکھلے ہوئے تھے چمن میں ہزار رنگ کے پھول
چھپی ہوئی تھی درختوں کے چھنڈ میں میل
ہر ایک پتہ پہ ہوتا تھا ارغنون کا گماں
ہر ایک شاخ سے اٹھتا تھا نو بہار کا غل

یہ شور کون مچاتا ہے؟ پھول نے پوچھا
دیا جواب میل میل نے منہس کے احمد گلؔ

رنگون ۵۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء

اے حاجی باور دین صاحب تاجرِ میوہ رنگون کا چھوٹا صاحبزادہ جس کی عمر ۹ سال کے قریب ہے،

طوبی للغربا

غریبوں کو خدا رکھے سلامت
رہیسوں سے خدا محفوظ رکھے
جسے خاکِ فلسطین نے اٹھایا
نہیں آتی جنہیں روٹی کمافی
پہنچتا تھا مجھے حق سرزنش کا
مرے اعمال کی صورت ہیں انگیر
زباں جنت ہوا درول ہے جہنم
مسلمان ہو گیا گاندھی کا بیٹا!

سلامت اور وہ بھی باکرامت
جو کرتے تھے غریبوں کی حجامت
وہ فتنہ بننے والا ہے قیامت
وہ کر لیتے ہیں مسجد کی امامت
وہ اُلٹی مجھ کو کرتے ہیں ملامت
جیسی تو آگئی ہے میری شامت
منافق کی ہے یہ دھری علامت
اُسے اللہ بخشے استقامت

نری تہذیب نو دن میری تلون

مبارک ہو مجھے اس کی قدامت

دلگون ۵۰۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء

خلج بنگال

بنگالہ کی خلج کی پہنائیوں میں ہوں ساحل کی ڈوریوں کے تماشائیوں میں ہوں
 اوپر بھی آسمان ہے نیچے بھی آسمان دونوں کے انقلاب کی گیرائیوں میں ہوں
 حُسنِ ازل کا پردہ کشا ہے مرا خیال میں بھی شریک اُس کی خود آرائیوں میں ہوں
 ہے بحر و بر میں کتہہ رواں جس کے نام کا اُس کا اکیلی والے کے شیدا بنیوں میں ہوں
 ڈوبا ہوا السنت کے عہدِ سعید سے اپنے خدا کے رنگ کی گہرائیوں میں ہوں
 اس بڑی مے شرف و مجد کی دلیل کیا اور ہو سکے گی کہ بطنِ ایمیوں میں ہوں
 جلوے مری نگہ میں ہیں خیر القرون کے اُس قرنِ دل کش کے تمنائوں میں ہوں
 اسلام کی گرفت ہے فولاد کی گرفت جکڑا ہوا میں اس کی توانائیوں میں ہوں

کشتی کو موجِ بحر کی آویزشوں سے کام

میں محو اپنی قافیہ پیمائیوں میں ہوں

عرشہ بہارِ قلبِ خلج بنگال

۷۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء

چوریاں

۵۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو جب میں رنگون سے مراجعت لاہور کی طیاروں میں مصروف تھا میرا فائوٹین پن چوری ہو گیا لیکن دن کے تین بجے رنگین پولیس کے ایک ملازم شیر احمد خاں صاحب ہزاروی نے مجھے اطلاع دی کہ چور پکڑ لیا گیا چنانچہ میں نے پولیس میں جا کر بیان دیا اور قلم ضابطہ کی کارروائی کے بعد مجھے لاہور پہنچا دیا جائے گا۔ اس پر سپر سبیل ارتجال ذیل کے دو اشعار زبان سے نکلے۔

دیکھے ہیں بہت چور مگر ایسے ہیں کم چور جو لکھ نہیں سکتے ہیں اور اس پر ہیں قلم چور
محروم قلم کش کو کرے حقہ کشی سے ہو جائے نہ پیدا کہیں یارب وہ چلم چور

کلکتہ پہنچ کر ان پر اشعار ذیل مستزاد ہو گئے :-

پٹنہ کی عدالت میں ہوا جس کا دھماکا لائے تھے مہادیپ کی میٹھک سے بڑھ چور
جس بہت پہ اچھوتوں نے لگا رکھی تھی بازی اُس کو بھی اڑا لے گئے کاشی کے صنم چور
لاش اُس کی گھسیٹیں گے فلسطین کے بدو توڑیں گے جب اسلام کی دہلیزیہ دم چور
جس کے لئے آئے وہ کفن ہاتھ نہ آیا بیٹھے ہوئے کھائیں گے جینوا میں یہ غم چور

چور آپ بھی اور ہم بھی مگر فرق ہے اتنا

اللہ کے چور آپ ہیں ان کے نہ کے چور

کلکتہ
۹۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء

مقناطیس و آہن

یہ مقناطیس کی دعوت تھی آہن کیسے رو کرتا
 نظر آئے رضا کاران نیلی پوش صنف و صنف
 سنائی داستانِ ہورا وراس کے شہیدوں کی
 بیستنی کی دیتا ہوں صلا رندانِ مشرق کو
 کیا افسانہ دنیا کا سپر و خامہ جب ہیں نے
 سلمانوں کی جمیعت سے ٹکرانا نہیں سہا
 میں کلکتہ سے رخصت ہو کے سیدھا کانپور آیا
 مرے دل میں ہر روز ترا میری آنکھیں میں نور آیا
 تو میری پیشوائی کے لئے شور و نشور آیا
 خمستانِ عرب کے نشہ میں ہو کر میں چور آیا
 تو افسانہ دینِ قیم کا نظر بین السطور آیا
 وہ ٹکرائیں تو سمجھو ان کی عقلوں میں فتور آیا

خدا کی حمد، پیغمبر کی مدح، اسلام کے قصے
 مرے مضمون ہیں جسے شعر کہنے کا شعور آیا

کانپور - ۱۳ - اکتوبر ۱۹۳۶ء

تخت یا تختہ

ڈرجاتے ہیں ایک ہی بھبکی سے دیتے ہی پیام آزادی کا
 مرجاتے ہیں ایک ہی دھمکی میں اور لیتے ہیں نام آزادی کا
 سوائے شہادت سر میں نہیں اللہ کی ہیبت دل میں نہیں
 پھر کہتے ہیں قائم ہونہ سکا دنیا میں نظام آزادی کا
 اقبال وہاں ادب اربہاں تلوار اُدھر تفتیر اُدھر
 پڑھتے ہیں سبق انگریزوں سے کونسل میں غلام آزادی کا
 اے معتکفانِ کنجِ حرم ملت کو ہے تم سے شکوہ یہی
 بیٹھے ہوئے کرتے ہو حجروں میں تم کام تمام آزادی کا
 تم کہتے ہو کالانعام جنہیں کچھ کر کے وہی دکھلاتے ہیں
 سر ہاتھ میں لے کر مسئلہ حل کرتے ہیں عوام آزادی کا

پہلو میں ہو دل، دل میں ہو یقین، سر پہ ہو کفن، کف میں ہو سناں
 جب جمع یہ اجزا ہوتے ہیں بنتا ہے قوام آزادی کا
 انگورہ سے لے کر کابل تک مخلوق خدا آزاد ہوئی
 دہلی کی خطا کیا ہے کہ یہاں چھلکا نہیں جام آزادی کا
 گاندھی کی نظر شرب کی طرت اٹھ جاتی تو خیر اک بات بھی تھی
 یہ کیا ہے کہ سمجھے بیٹھے ہیں وردھا کو مقام آزادی کا
 تاریخ وطن کی جانب سے پیغام کوئی انگریز کو دے
 آنا ہوا تم بھی دیکھو گے سورج لبِ بام آزادی کا
 دنیا میں ٹھکانے دوہی تو ہیں آزاد منش انسانوں کے
 یا تختہ جگہ آزادی کی یا تختہ مقام آزادی کا

کرم آباد

۲۱۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء

کنجاہ

مجلس مرکز یہ احرار ہند نے جو تحریک شہید گنج کو فنا کرنے کی غرض سے مجھ پر اور میرے رفقا پر نت نئی تہمتیں لگانے کے فن میں یدِ طولیٰ رکھتی ہے اور اُسے اپنی شریعتِ مطہرہ کا مقدس ترین فرض سمجھتی ہے اپنے ایک رکن سراج الدین المتخلص بہ سراج کنجاہی سے یہ تاریخی الزام ترشہ آیا تھا کہ ظفر علی خاں جس کے پیٹ میں رہ رہ کر شہید گنج کی بربادی کا مروڑ اٹھتا ہے دینِ میں کادراہل سب سے بڑا دشمن واقع ہوا ہے کیونکہ اس ظالم نے اپنے گاؤں کرم آباد کی مسجد ڈھا کر اُس کے ملبہ سے اپنی کوٹھی تعمیر کر لی۔ اس الزام کا جو حشر مسلمانوں کی قومی عدالت میں ہوا وہ عالم آشکارا ہے۔ ایک اسلامی کمیشن نے کرم آباد پہنچ کر اپنی آنکھ سے سب کچھ دیکھ کر اور شہادتیں لے کر فیصلہ کیا کہ یہ الزام بالکل بے بنیاد ہے۔ میں اُن دنوں رنگون میں تھا اور مجھے اس فیصلہ کی اطلاع بذریعہ تار دی گئی جس پر بے ساختہ میری زبان سے نکلا کہ

کرم آباد کی مسجد سے ندا آتی ہے
ہو گیا مجلس احرار کے ارمان کا خون

رنگون سے واپس آنے پر مجھے مسلمانانِ کنجاہ کی طرف سے ایک بہت بڑے سیاسی جلسہ میں شرکت کی دعوت موصول ہوئی اور میں مجلس اتحادِ ملت کے چیدہ چیدہ ارکان کے ساتھ ۲۲۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو کنجاہ پہنچا۔

کہ مجھے اور میرے رفقا کو دعوت طعام جن بزرگ نے دی وہ خود سراج کجماہی
تھے جو کرم آباد والے واقعہ سے متاثر ہو کر احرار سے اپنا تعلق قطع کر چکے ہیں
کھانے کے بعد صاحب ذوق نوجوانوں کی طرف سے فرمائش ہوئی کہ کجماہ پر
جسے غنیمت کی شاعری نے زندہ جاوید کر دیا ہے کچھ اشعار ہم نے چاہئیں۔
چنانچہ بیٹھے بیٹھے چند اشعار میزوں پر ہو گئے جو مذرناظرین ہیں :-

یہ حسن و عشق کا گھر ہے اسے کجماہ کہتے ہیں	مرے ہر جرم کا آکر یہاں کفارہ ہوتا ہے
زہے قسمت بچالے جاؤں گریں آبر اپنی	کہ ہے جو آبر و الایہاں آوارہ ہوتا ہے
غنیمت کی لحد ہی اب بھی سوز ساز کی محفل	کہ اس کی خاک کا ہرزہ آتش پارہ ہوتا ہے
مرا بھی ایک شاہد ہی علی گڑھ نام ہے جس کا	مراد اس کی چشم مست کا گوارہ ہوتا ہے
کہا کجماہ کی کڑوی حلیم نے باتوں باتوں میں	کہ تمباکو یہاں کا عقرب جتنا رہ ہوتا ہے
مسلمان بھی خدا رکھتا ہے پھر یہ ماجرا کیا ہے	ہدف سارے مصائب کا یہی بیچارہ ہوتا ہے
ابد تک جو بچے کا طبل ہے وہ ہم غریبوں کا	جو پھٹ جاتا ہے وہ احرار کا نقارہ ہوتا ہے
جو ہیں گروں کے سیارے وہ اب گئے ہی والے ہیں	بلند اسلام کا پنجاب میں طیارہ ہوتا ہے

کہاں تاکتا ہے کتنا جاؤں آخر کوئی حد بھی ہو

کہ حلوے میں فرا ہوتا ہے اور کیبارہ ہوتا ہے

کجماہ - ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۶ء

آج کل کے میاں بیوی

تصویر کا ایک سُرخ

اُس کو زرگر سے جڑاؤنتھ کے بنوانے کی فکر
 اُس کی یہ خواہش کہ گھر کی آبرو ضائع نہ ہو
 اُس کو بچوں کا تماشا دیکھنے کی آرزو
 اُس کی یہ کوشش کہ گھر میں چار پیسے جمع ہوں
 اُس کو بazarوں میں پھر کرناک کٹوانے کی فکر
 اُس کو قیدِ پردہ سے آزاد ہو جانے کی فکر
 اُس کو سنا جا کے جی ہرات پہلنے کی فکر
 اُس کو گھر رکھ کر گرو آئینے اور شانے کی فکر
 اُس کو اٹھ آنے کی فرمائش کے دہرانے کی فکر
 اُس کو محنت کر کے دو آنے کمانے کا خیال

اُس کو گاڑھے ہی کے تہم میں مگن رہنے کی مہین

اُس کو ریشم اور لونڈیہ سما جانے کا فکر

تصویر کا دوسرا رخ

اس کی شریعتی نگاہیں غیر سے نا آشنا
 اس کے دل کی ہر تمنا ہند کے زنداں میں بند
 اس کو ہر شب اک نئے شاہد کے گھرنے کی فکر
 اس کو پیرس اور لندن جاکے ناچ آنے کی فکر
 اس کو یا چرخہ سے یا چکلی سے یا چولھے سے کام
 اس کو اپنی پھٹی ساڑھی کے سینے سے غزل
 اس کو ہر شبنم کے شہاب کے گن گانے کی فکر
 اس کو رینکین سے ڈنر کا ٹیٹ سلوانے کی فکر

اس کو ناموس شریعت اپنی جاں سے بھی عزیز
 اس کو اس قانون ربانی کے ٹھکرانے کی فکر

۲۵۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء



مسلمانانِ امرتسر

۲۹۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء کی صبح کو میں جامعہ اسلامیہ امرتسر کے معاینہ کے لئے گیا۔ مولوی محمد عمر صاحب ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی سکول کے صاحبزادے عزیز نصر اللہ خاں نے جامعہ کے ایک فرطاس پر فرمائش لکھ رکھی تھی کہ اس کاغذ پر کچھ اشعار فی البدیہہ درج کر دے جائیں ہیں نے قلم اٹھا کر یہ شعر لکھ دیا:-

کس آسانی سے آجاتے ہیں نصر اللہ کے دم میں
بڑے ہی بھولے بھالے ہیں مسلمانانِ امرتسر

اس پر اشعار ذیل اُسی وقت مستتراد ہو گئے:-

ڈیریں گے کیا کسی فرعونِ بجا ماں کی جھکی سے	خدا سے ڈرنے والے ہیں مسلمانانِ امرتسر
وہی ہر رنگ اُن کا خود خدا کو بھی جو پیارا ہو	نہ گورے ہیں نہ کھلے ہیں مسلمانانِ امرتسر
نہیں لا حول سے ماحول بہتر کوئی ہو سکتا	اور اس کے ہی حوالے ہیں مسلمانانِ امرتسر
نہ ہو مخرکے استعمار کی تدبیر کیوں اُلٹی	مقدر کے حسبِ آہ ہے مسلمانانِ امرتسر

شہادت کی قبائے ارغوانی دی گئی ان کو
 خدا جس خاندان کی آبرو کا خود محافظ ہے
 لکھنے والے لالے ہیں مسلمانانِ امرتسر
 اُسی کے لڑکے بالے ہیں مسلمانانِ امرتسر
 ترنم چاند ہی اس شہر میں علم اور حکمت کا
 درخشاں اس کے بالے ہیں مسلمانانِ امرتسر
 قطار اندر قطار اسلام کا لشکر گزرتا ہے
 اور اس کے ہی رسالے ہیں مسلمانانِ امرتسر
 ہر جس ابر رحمت نے کیا بطحا کی کھیتی کو
 اُسی باؤل کے جھلے ہیں مسلمانانِ امرتسر

امرتسر - ۲۹ - اکتوبر ۱۹۳۶ء



احمد آباد کے مزدوروں کو گاندھی کا حکیمانہ مشورہ

یہ گاندھی جی نے مزدوروں کے اک جلسہ میں فرمایا
 کہ ہمارے سودا بھجنا آج کل سرمایہ داروں سے
 تمہیں محنت کی جو اجرت وہ دیں کر لو قبول اُس کو
 کہ آدھا پیٹ بھر کر پھر بھی اچھے ہو ہزاروں سے
 کرو گے بائیکاٹ اُن کا تو کیا ہاتھ آئے گا تم کو
 بجز اس کے کہ کھاؤ گولیاں ان کے اشاروں سے
 مجھے دیکھو کہ انگریزوں سے کٹ کر میں نے کیا پایا
 تعاون ہی مناسب تھا حکومت کے اداروں سے
 موالاتی بنایا مجھ کو میری تلخ کامی نے
 مجبوری ملیں گا اپنے ان پروردگاروں سے

لاہور - ۵ - نومبر ۱۹۳۶ء

سیاسیات کا دنگل

دفتر پنجاب ہے جنگل سیاسیات کا
 پہلو اں اور اُن کے پٹھے آگئے خم ٹھنکے
 گالیاں دے چھوٹ بول احرار کی ٹولی میں مل
 پہلے ہی دنگ ہیں جب دیدے بخاری کے پٹم
 خالصہ کا ساتھ دے جب یہ شریعت کا امیر
 کیا تا شاہو کہ زلفِ شرع کی مشاطگی
 ہے بہت آسان کھانا سینہ پر گینتی کی ضرر
 دیکھ لے منظر علیٰ اظہر کو افضل حق کے ساتھ
 مجلس احرار کے نیفے کی رینق بن گیا
 دخلِ محقولات میں دیتا ہو کیوں بڈمولوی

بن گیا میرا قلم منگل سیاسیات کا
 دیدنی ہے آج کل دنگل سیاسیات کا
 نکتہ یوں ہی ہو سکے گا حل سیاسیات کا
 مانگتے پھرتے ہیں کیوں کا حل سیاسیات کا
 کیوں نہ کہئے اس کو بابا باطل سیاسیات کا
 کر رہا ہے آج دستِ شل سیاسیات کا
 ہے بہت مشکل چلانا ہل سیاسیات کا
 ایک پدمی دوسرا جھپٹل سیاسیات کا
 ایک پتو دوسرا کھٹل سیاسیات کا
 عقدہ کیا کہ لے گا نہ دوسرا سیاسیات کا

ڈاکٹر کچلا وزیر ہیں اور حسام الدین ہیں یہ
 جل گئے مکہ میں بھٹے مولوی داؤد کے
 یہ دمن اس عہد کی وہ نل سیاسیات کا
 حد سے بڑھ کر گرم تھا بھول سیاسیات کا
 ہمدرد موگھوڑا ہے یہ کوتل سیاسیات کا
 عورتوں نے بھی کیا کونسل کا رخ مڑوں کی طرح
 آئی ہیں تھامے ہوئے اپنل سیاسیات کا

لاہور

۱۶۔ دسمبر ۱۹۳۶ء



بُت خانہ احرار

احرار کے بُت خانہ سے منظر کو بٹالا
 منظور بنانا ہو جو مسجد کو شوال
 مرزا بیوں کے حق میں قیامت ہو بٹالہ
 کافر کا جنازہ اسی بستی نے نکالا
 ہرزچہ بٹالہ کا ہے اک مرید مجاہد
 جو سوئی یہاں کی ہو وہ بن جاتی ہو بھالا
 ملتی ہیں بچاڑے کو شکستوں شکستیں
 اسلام سے پڑتا ہے جہاں کفر کو پالا
 لالہ سے یہ کہہ دو کہ مسلمان سے نہ اُلجھے
 معبود مسلمان کا ہے اللہ تعالیٰ
 اسلام کی دولت کے کمرئوں پر نظر کر
 آتے ہی اچھوتوں کا ہٹوار تہہ دو بالا
 سرکارِ مدینہ سے ملا مجھ کو بھی کتل
 سکھوں نے بخاری کو جو بخشا ہو دُشالا

زندہ رہے پائندہ رہے نور محمد

اسلام کا نام اُس نے بٹالہ میں اچھالا

بٹالہ - ۲۰ - دسمبر ۱۹۳۶ء

مسجد فروش

سراپا ڈھل کے نکلا ہر رابطہ کے سانچے میں
 زمین سے آسمان تک میری رانی کے چہرے ہیں
 میں رنگ و نسل کی لعنت کا پہلے دن دشمن ہوں
 مری کوتاہیوں کا طعنہ گھر رکھ لیں طن والے
 نہیں قائل ہوا میں آج ناک ان کی شریعت کا
 خدا شرمائے مسجد بیچنے والوں کی ٹولی کو
 بھرم کھولا مجھ ضد زو لوی کا خاکساروں نے

کہ اس مسجد شکن کا کام ہی شاہد نوازی ہر

لاہور۔ ۲۶۔ دسمبر ۱۹۳۶ء

احرارِیات

صدر مجلس احرار :-

دو غم ہیں جہاں ہیں غم دُزد و غم کالہ
دو ذیل کا جنازہ مری غربت نے نکالا
خواہش ہے یہ لالہ کی چپوں لالہ کی مالا
مالا کا ہر اک دانہ ہو پھر لو لو لالا
میں صدر ہوں احرار کا مدوح مرا ہے
اک پیسہ بھی جس نے مرے کشکول میں ڈالا

جنرل سکریٹری مجلس احرار :-

کونسل کی الکشن کی بلا ہو گئی نازل
ٹوٹا ہے مرے سر پہ مصیبت کا ہمالا
وہ پانسو مند مری فہرست میری درج
اسلامیوں نے جن سے ہر اک بت کو نکالا
گفتہ نہیں سجتا ہے ہادیو کا اُن میں
اُن سب میں ہمیشہ کے لئے پڑ گیا تالا

امیر شریعت احرار :-

اک طفل پر پیاری کی شریعت فگنی نے
کل رات نکالا مرے تقوے کا دوالا
میں دین کا پتلا ہوں وہ دنیا کی ہر موت
اُس شوخ کے نخرے میں مرا گرم مسالا

لاہور - ۲۶ - دسمبر ۱۹۳۶ء

احرار کی ٹولی

پنجاب اسمبلی کی رکنیت کے لئے حلقہ گڑھ شنکر کی طرف سے دو امیدوار تھے۔
چودھری افضل حق رکن رکیں مجلس احرار اور رانا نصر اللہ خاں ہریانوی بی۔ اے
جن کی پشت پر مجلس اتحاد ملت کی تائید تھی۔ چودھری افضل حق کو اپنے حریف
کے مقابلہ میں شکست فاش ہوئی جس کی تصویر اشعار ذیل میں کھینچی گئی۔

جاء نصر اللہ کی ہریانہ سے آئی صدا	رنگ افضل حق کا سنتے ہی جسے فق ہو گیا
گر پڑے غش کھا کے مولانا عطاء اللہ شاہ	اور کلیجہ مولوی داؤد کا شق ہو گیا
راہ چلتے چلتے گڑھ شنکر کی ٹمٹم رک گئی	جو چلاتا تھا اُسے لنگڑا وہ ابلق ہو گیا
مولوی منظر علی انظر کی رسوائی کا داغ	اُن کی مجلس کے سیہ خانے کی رونق ہو گیا
اُس طرف مندر کا شورا اور اس طرف مسجد زو	بیچ میں منظر علی انظر معشوق ہو گیا

پوچھتے ہیں سرکنڈر مجلس احرار سے کیوں وزارت کائناتی یہ احمق ہو گیا
 ذاکر احرار کا مشہور ناقوسی "سلام" مالوی جی کے صنم خانہ کی رونق ہو گیا
 کون دے گا ووٹ بیچا ہے حسام الدین کو کچلو امرت سر میں جنتا مطلق ہو گیا
 جلے کیا سوچ کر احرار سے ملا غوث ساریوں میں کس لئے شامل تعلق ہو گیا
 صدر احرار آگئے لے کر لفنگوں کے پیسے لشکر اشرا سے جنگ آزما حق ہو گیا

شاعری میں بندہ سنجی ہو مرا انداز خاص
 زندہ میرے نام سے نامِ فرزدق ہو گیا

لاہور - ۲۷ - دسمبر ۱۹۳۶ء



مولانا عبدالقادر قصوی کی پوتی کی عروسی

بسا رہی ہے جو عبدالحمید کے گھر کو
 وہ نور جس کی ضرورت تھی اس کی افشاں کو
 بہشتِ عدن کی مالن سے آگپنڈھوا کر
 نصیب جن کا برسا ہوا اس کی ڈولی پر
 ہے نو عروس کو حاجت نئے اُٹھنے کی
 نیاز و نیاز کی محفل کی گرمیوں کے لئے
 براتیوں کو ضرورت ہے نہ پنکھے کی
 میں دل کے گوشہ سے دو لہکے اور دھن کے لئے
 میں اُس عروس کا سارا سنگار لایا ہوں
 سوا و چرخ بریں سے اتار لایا ہوں
 میں رنگِ نگ کے پھولوں کا ہار لایا ہوں
 وہ سارے گوہر فلزم نثار لایا ہوں
 میں غازہ رُخ فصل بہار لایا ہوں
 میں حسن و عشق کے جذبے اُبھار لایا ہوں
 نسیمِ رحمت پروردگار لایا ہوں
 دعائیں لایا ہوں اور بے شمار لایا ہوں

نرالی وضع کا سہرا رقم کیا میں نے
 سخنوری کا نیا شاہکار لایا ہوں!

قصور - ۳۰ - دسمبر ۱۹۳۶ء

نقش ہائے رنگ رنگ

تُو نے گاندھی کی لنگوٹی کی جہاں رکھ لی ہے شرم
 میرے تہمد کو بھی یارب فتح دے پتلون پر
 نامہ اسلام کی سُرخِی ہے قربانی مری
 سب سے پہلا حق ہے آزادی کا میرے خون پر
 جب زبان نارنگ کی چلتی ہے قینچی کی طرح
 پھر سکوت مرگ طاری ہو گیا کیوں "نوں" پر
 وہ رنگیلا فلسفہ عرباں ہوا پنخِ باب میں
 جس کی راہیں بند تھیں یوناں میں افلاطون پر
 یک چھکیں گی جب بہشتی مقبرے کی ہڈیاں
 ٹیکس لگ جائے گا میث و تادیاں کی اُدن پر
 عرش کے قدوسیوں نے چوم کی اُس کی زباں
 جب قلم نقاش کا اٹھا کسی مضمون پر

لاہور یکم جنوری ۱۹۳۷ء

ببر اندر سبھا

ببر جو دکھاتے چلے آئے ہیں انل سے
 کرتے ہیں یہ دعویٰ کہ موالات ہو ماحول
 آزاد ہی کامل نہ کبھی ہو گی میسٹر
 میعاد غلامی کے بڑھانے کے سوا کیا
 انگریز کی دہلیز یہ رکھ دیتے اگر سر
 برطانیہ گلغام ہے اور سب پر پی ہند
 بازار تعلق میں متا شا گزری کا
 حکمت کی جہات عملی و نظری کا
 گرہم کو سلیفہ نہیں درپوزہ گری کا
 انجام ہے احمار کی شوریدہ سری کا
 آتا نہیں اس میں بھی مزہ تاجوری کا
 گلغام سے کیوں عقد نہ ہو سب پر پی کا

سرتیج بہادر یہی فرماتے ہیں ارشاد

اور صا د ہے اس فلسفہ پر شاستری کا

۱۴ جنوری ۱۹۳۷ء

جھجر

ملنے والی ہر کوئی دم میں حریفوں کو شکست
 فتح اسلام کے بیٹوں کی قریب آئی ہو
 "نشرط اسلام پودورزش ایماں بالغیب"
 غائبانہ مری جھجر سے شناسائی ہو
 نہیں ممکن کہ غلامی پہ کبھی قانع ہو
 کہ مسلمان کو ملی مسند دارائی ہو
 حرمت ملت بیضیا پہیں کٹ مڑا ہوا
 گرچہ ہندی ہوں طریقہ مرابطائی ہو

میں بھی ہوں شیعہ تسلیم و رضا پر قائم
 اگر انگریز کا مسلک شتم آرائی ہے

جھجر ۱۳ جنوری ۱۹۳۷ء

ملک برکت علی

اور

مجلس اعرار

اگر سرکار مرشد تھی تو احراری ولی نکلے اور اُن کی گوشمالی کو ملک برکت علی نکلے
 الکشن سر پہ آیا، کامیابی اس کو کہتے ہیں کہ ہر تقریر آزادی کے سانچے میں ڈھلی نکلے
 دعائیں مانگتی ہر رات دن احرار کی ٹولی کہ جس کو چے سے ہم کلیں نفلگوں کی گلی نکلے
 سنا نے جا کے انگریزوں کو سچی بات کو نسل میں
 خدایا ہم میں بھی ٹولی اک ایسی منجلی نکلے

۱۹ جنوری ۱۹۳۷ء

ٹین فروش اور دین فروش

مولانا مظہر علی آظہر

ہم ہیں احرار نہیں ہم سے اُلجھنا اچھا
تیری اوقات ہی کیا ہے ابے اوٹین فروش

کامریڈ محمد حسین ٹین ساز

میں نے مسجد نہیں بچی کبھی تیری مانند
ابے اوچندہ کے بھوکے ابے او دین فروش

۲۶ جنوری ۱۹۳۷ء

گجرات کی انتخابی جنگ

آرائش اسلام ہیں گجرات کے قصاب
مرٹٹے ہیں یہ نام رسولِ عربی پر
گجرات میں کچھ اور بھی ہیں مردِ مجاہد
دیتے ہیں مساجد پہ جو بتخانہ کو تریح
احرار کو چندہ کے سدا کچھ بھی نہ سوچھا
ربانی و یعقوب کے جوڑے کی تڑپ دیکھ
گجرات کی رونق ہیں حبیبِ کرامت
شورش سے مرارشتہ ہوا اور وہ ازلی ہے
سن لو گے کہ گجرات میں عالم کی ہوئی فتح
اس پر ہے جسے ناز وہ ہے خطہ پنجاب
اس نام کی توہین کی لاتے یہ نہیں تاب
ہیں بے عدد اس شہر میں اللہ کے احزاب
ہیں ان کو سکھاؤ گل شریعت کے آداب
بتی کو نظر آئے فقط چھپٹوں کے خواب
وہ ہنق کی تصویر ہے یہ پیکرِ سیما
اسلام کے دریا کے یہ دو موتی ہیں نایاب
ہیں وقت کا رستم ہوں وہ ہر ثانی شہراب
اس فتح میں کا ہے یہی شہر نیا باب

دریا مرے رستہ میں نہ ہوں گے کبھی حائل

مجھ کو جو گزرنا ہو تو پایا باب ہو چنیا باب

گجرات - ۹۔ فروری ۱۹۳۷ء

بقائے وحدت اسلام کے وسائل

جو چاہتے ہو کہ روشن بڑوں کا نام کرو
 کہو خدا پہ بھروسہ جو سب سے اچھا ہے
 غلامِ احمقِ فحشا رہو خدا کے لئے
 اس ابتلا سے خدا کی ہزار بار پناہ
 کبھی صلیب کی شہ رگ کو جس نے کاٹا تھا
 نہیں ہوا اس میں عربِ عجم کی کچھ تخصیص
 تو جس نے اُن کو بڑا کر دیا وہ کام کرو
 پھر اپنی قوتِ بازو سے اعتصام کرو
 نہ اپنے آپ کو اغیار کا غلام کرو
 کہ جھک کے تم کسی نا اہل کو سلام کرو
 پھر اس ہلال کے خنجر کو بے نیام کرو
 دہی وطن ہے تمہارا جہاں مقام کرو

بقائے وحدت اسلام ہے اگر منظور
 تو قادیان کی نبوت کی روک تھام کرو

۲۶ فروری ۱۹۳۷ء

مدنی تہذیب اور بنارس تہذیب

ساتی ابھی سجھی نہیں میرے جگر کی پیاس
ضغطہ میں ہے پڑی ہوئی عبد اللہی مری
میں ہوں محکم عربی کا مزاج داں
بالشت بھر کی ایک لنگوٹی پر اُن کو فخر
عجل حنیذ میرے لئے سپہ طعام
آزادی اُن کی گائے کی دُم سے بندھی ہوئی
مجھ کو یہ کہہ کہ دل میں خدا ہی کا خوف ہو
چلتی ہے ہر دوار کی چکی گھم گھم
لیکن ہو اس کے پاس ہی اسلام کا خیر ہے

وہ جس فضا میں لیتے ہیں آسائشوں کے سانس

اُس کی ہوا مجھے نہ کبھی آسکے گی راس

لاہور۔ یکم مئی ۱۹۳۷ء

اليس الله بكاف عبده

رہ نہ رو کعبہ کیوں ور دھا کا رہ رہ ہو گیا
 اے خدا تیری خدائی کیوں ہوئی جاتی ہو تنگ
 وہ شکار نا فگن تھے ہم جو آسمان سے لئے تھے
 یا جی ہی ہم ہیں کہ اپنی گردنیں کسے ہیں پیش
 بھیڑیے کی دانت کی تیزی سے بھی منفا کرتے
 پانچ دن کی زندگی میں دین کا غم کھائے کون
 کیا تماشا ہو کہ کہلاتے ہیں وہ بھی سرفروش
 یا تو خود مٹ جائیں یا باطل کی شہرگ ٹھاپیں
 کیا خدا کافی نہیں تھا اپنے بندوں کے لئے
 تو سن اسلام کی برقی زقندوں کے لئے
 ہر انور کی شعل اپنی کمندوں کے لئے
 برہمن کی سچتہ زتاری کے پھندوں کے لئے
 خود گڈریے کی چھری ہو گو سفندوں کے لئے
 جب یہ دہلت بھی ہو کم دُنیا کے دھندوں کے لئے
 وقفے ساری تگائے و جن کی چندوں کے لئے
 ایک ہی رستہ کھلا ہو حق پسندوں کے لئے

جن کے دل پتھر کے ہیں اُن پر تو کیا ہوگا اثر

میر دل کی یہ صدا ہے درو مندوں کے لئے

لاہور - ۸ مئی ۱۹۳۷ء

برطانیہ کی فلسطینی حکمت عملی

کفن باندھے ہوئے صحرا سے نکلے
 غزیت اُن کی نخِ نخ میں ہو ترکی
 لگا رکھی ہے آزادی کی خاطر
 برستی گولیوں میں — سر بسجده
 ہیں راہِ حق میں مر مٹنے پہ طیار
 نہیں ہو سکتے اک غازی کے ہمسر
 رسن سازانِ مغرب سے یہ کہہ دو
 کہاں تک اس کی تخریب کا شوق
 فلسطین کے شہادت پیشہ غازی
 حرارت اُن کی رگ رگ میں ہوتا زاری
 انہوں نے ہر طرف سروِ مہر کی بازی
 کبھی دیکھے بھی ہیں ایسے نمازی
 ہے نازاں اُن پہ تہذیبِ حجازی
 اگر ہوں لاکھ فخر الدین رازی
 کہ گزری حد سے رسی کی درازی
 کہ ایک سرِ اندازِ خاک لازی

کہاں تک فکر اصلاح قبائل
 کہاں تک فکر اصلاح قبائل
 حمایت تباہی کے صیہونیوں کی
 بدل سکتی نہیں فطرت عرب کی
 نئی تہذیب کی افسوں طرازی
 حقیقی سے نہ ٹکرائے مجازی
 اگر ہے دعویٰ مسلم نوازی
 روش موجودہ اپنی ترک کیجے

ہمارے مشوروں سے بندہ پرور
 نہیں اتنی بھی اچھی بے نیازی

لاہور

۹ مئی ۱۹۳۷ء



سرحدی قبائل اور ہندو

ہلاکل اُس سراپا ناز سے ہیں
 لگا کہنے کہ مجھ کو گھٹور تے ہیں
 مری عزت کے ورپے ہیں یہ ڈاکو
 نہیں انگریز کا بھی اُن کو کچھ ڈر
 جلا کر راکھ کر ڈالے جنہوں نے
 خدا را تو ہی جا کر اُن کو سمجھا
 سنا ہے ہنسناتے جس میں ستجھ کو
 کہائیں نے کہ اے غارت گرد ہیں
 کھلا لاہور کے اُن کو پکوڑے
 کس اپنے گیسوؤں سے اُن کی مشکبیں
 مرا سم جس سے ہیں دیرینہ میرے
 وزیرستان کی سرحد کے لٹیڑے
 جو آپڑتے ہیں مجھ پر منہ اندھیرے
 پڑی ہیں جس کی فوجیں اُن کو گھیرے
 ان اندھی کھوپڑی والوں کے ڈیرے
 وہ آخر بھائی تیرے ہیں چھیرے
 وہ ہیں اُس اُصطبل ہی کے بچھیرے
 مری جان اور دل قربان تیرے
 کہ جھوٹے ہیں یہ سرحد کے لٹیڑے
 یہ پھر لینے لگیں گے تیرے پھیرے

لاہور تری دھوتی اڑا لے جائیں پھر بھی

۱۲ مئی ۱۹۳۷ء تو اٹھ کر نوچ ڈال اُڑ کر

وزیرستان اور کانگریس!

(۱)

بھگالے گئے ہندوؤں کو پٹھان بحکم جناب فقیر اپنی
 جب اے پی کی یہ خانہ ساز اطلاع ”ٹریبون“ کے کالموں میں چھپی
 تو ہے رام ہے رام کا غل مچا ہر اک پرش پر چھا گئی کپکپی
 ”ملاپ“ اور ”پرتاپ“ نے ایک ساتھ
 حکومت کی ہما کی مالا جپی

(۲)

ہوئے ہم نوا اُن کے یوں رام جس نہیں جن کا چلتا مسلمان پہ بس
 کہ مابند ہستیم اندر نفس نہ داریم غیر از تو فریاد رس
 توئی مالک الملک و ماہیچکس
 توئی ہندو اں را اماں بخش و بس

(۳)

ہو کیوں چپ جب آزاد ہو کانگریس
 پھڑکتی نہیں کیوں یہ بھارت کی نس
 ہوا ان کی حمایت میں کیوں پیش و پس
 پٹھانوں پہ جب بم ہے ہیں برس
 نہیں ہو جب اس ہاتھ پر دسترس
 جھکا یا ہے جس نے وطن کا گلے
 تو کیوں ہو قیادت کی دل میں ہوس
 تمناعت بانی کی ہو کر مگس

کسی طرح ہوتی نہیں شس سے مس
 ہو کیا وہ بھی انگریز کی ہم نفس

لاہور
 ۱۴ مئی ۱۹۳۷ء



مینہ کا جھالا

برسات کے پہلے مینہ کا جھالا مینران کرم میں ٹپل رہا ہے
 نابود ہوئی لپٹ لوٹوں کی رحمت کا دریچہ کھل رہا ہے
 شاخوں کا نکھر رہا ہے جو بن پتوں کا غبار ڈھل رہا ہے
 توبہ شکنی کی آگئی رت مینخانہ میں مچ یہ غل رہا ہے

پنجاب میں کامراں ہے اسلام
 اس غم میں ملاپ گھل رہا ہے

لاہور - ۸ - جون ۱۹۳۷ء

میزانِ پنجاب

جو انکھیں ہیں تو میزانِ پنجاب کو دیکھو
مداخل اور مخارج کا توازن خانہ پرور ہے
سکندر ہے ابوالفضل ابونور ہر لال ٹوڈیل
جلال الدین اکبر بھی اگر ہو غیب سے پیدا
تو جو عقدے کہ لایخل ہیں وہ بھی خود بخود ہوا حل
غلامی کی ہیں جتنی لعنتیں نابود ہو جائیں
وطن کے زیر دست آزار حلقوں میں سٹپ ملچل
مجھکے اسلام کی چو کھٹ پر استعمار کی گرد
بندھا ایماں کے کھونٹے پر ہے گو سالہ گو کل

خدا کا نام لے کر مالوی جی بھی پکار اٹھیں
ہوا نطاہر ہوا باطن ہوا آخر ہوا اول

لاہور - ۱۹ جون ۱۹۳۷ء

حُقُّہ اور پُچا

نہ تو انجیل سے باقی ہے نہ تورات سے ہر دین باقی ہے تو قرآن کی آیات سے ہر
 زندہ دل یوں تو ہیں اسلام کے سارے فرزند ان کی رونق مگر آبادی گجرات سے ہر
 چار پتیا ہوں تو ہو جاتا ہے ایسا تانا چار نوشی مری دیرینہ روایات سے ہر
 حُقُّہ پتیا ہوں تو اڑ جاتے ہیں سکھوں کے وہ پتیں
 خالصتہً جی کی قضا میری کرامات سے ہر

گجرات

یکم جولائی ۱۹۳۷ء

امیر اور کجرات کے مسلمانوں کی قسمت کا شکوہ

سرکندرجیات خاں کی وزارت سے

کیوں دامن توحید مسلمانوں نے لیا تھا
انصاف کی اس عہد میں اُمید نہ رکھے
پنجاب میں کیوں رنگ ہو آج اس کا خصوصی
سکھوں کو اجازت ہو کہ سرکار سے لچھیں
کرپان سے چونگ کریں رہ گزروں کو
اس پر کسی مظلوم کی جب اٹھتی ہو فریاد
رورو کے یہ کہتی ہے مسلمان کی قسمت
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

ہو سب سے بڑا آج کل اس پرپی الزام
جب تک یہ نہ کہہ دے کہ یوں فارغ از اسلام
دنیا میں الہی تری رحمت بھتی کبھی عام
اور وقت کے قانون کو دیں جنگ کا پیغام
لٹھ لے کے پھریں گلیوں میں بے خطر انجام
آئین کے حربہ سے دبا دیتے ہیں حکام
ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام

۹۔ جولائی ۱۹۳۷ء

جواہر لال نہرو کا فلسفہ

یا ہے طعنہ جینا کو جواہر لال نہرو نے
 کہ یا وجاہلیت تازہ کر دی ہند میں تو نے
 سماں کو کیا گمراہ نام اللہ کا لے کر
 وطن دشمن بنایا اُس کو درس اسلام کا دے کر
 یہ ہے مجذوب کی بڑ جس کو تو اسلام کہتا ہے
 ترے اسلام کو ہندوستان اوہام کہتا ہے
 غریبوں کے لئے مذہب کی ایفوں گھولتا کیوں ہے
 سیہ کاری کا یہ دروازہ اُن پر کھولتا کیوں ہے
 نماز و روزہ و حج کو تعلق کیا سیاست سے
 حماقت رشتہ کیوں کہٹھکتے سے سیاست سے

تیری تکبیر کا نقارہ کر لے اپنی دُلوں دُلوں
 ہے اس دُلوں دُلوں سے بڑھ چڑھ کر مرے چرخے کی چرخ چوں
 مسلمان کو ضرورت ہے تو روٹی کی ضرورت ہے
 اور اس کے ساتھ گاندھی کی لنگوٹی کی ضرورت ہے
 مسلمانوں کی جیبوں میں نہ پیسہ ہے نہ ڈھیلا ہے
 اگر کچھ پاس ہے ان کے تو استنجے کا ڈھیلا ہے
 ملے گا مانگنے سے ان کو جتنا مال و زر مانگیں
 مگر جو مانگتا ہے کانگریس کے نام پر مانگیں
 یہ جاہل کانگریس میں جوق در جوق آ کے مل جائیں
 تو بنیادیں ملوکیت کی دو ہی دن میں مل جائیں
 لاہور - ۱۰ - جولائی ۱۹۳۷ء

محمد علی حسینی کا فلسفہ

مسلمان پہلے دن سے ہیں بتوں کے توڑنے والے
سنا دو یہ پُرانا قلعہ گاندھی جی کے چپیلوں کو
میل ہولت ہو شو جی ہوں سب سر کر ہوئے مٹی
بچھڑتا دیکھتی آئی ہے دنیا ان کے میلوں کو
مگر کعبہ کا وہ اللہ قائم اور دائم ہے
پڑا ہے جس سے پالا نہروں کو اور پٹیلوں کو
مسلمان باندھ کر نکلا ہے اپنے پیٹ پر پتھر
مگر تم بیچ میں لاتے ہو روٹی کے جھمیلوں کو
نہ بھولے سے بھی تم لو نام گنگا کے تھپیڑوں کا
گراک دن دیکھ لو زمرم کے طوفاں خیز ریلوں کو
مسلمان کی طرح سر سے کفن کیا خاک باندھو گے
سنجھا لو جا کے کونسل میں نہ کہ گیارہ

جب اپنے خوں سے ان کو سینچنا تم کو نہیں آتا
 چڑھاؤ گے منڈھے کس طرح آزادی کی بیلوں کو
 یہ مانا کانگریس میں تم بلا لو گے ہمیں لیکن
 پڑھاؤ گے سبق کس طرح بنیوں کا رہیلوں کو
 حجازی فن حدی خوانی کا جب تم کو نہیں آتا
 تو کس برتنے پہ تھامو گے ان اونٹوں کی کھیلوں کو
 مسلمان کے لئے کافی ہے دولت دین قیم کی
 تمہاری طرح گنتا ہے وہ پیسوں کو نہ دھپوں کو
 وہ دان آنے کو ہے جب تم پکوڑے بیچتے ہو گے
 مگر ہم بھر رہے ہوں گے مسلمانوں سے جیلوں کو
 جواب اس قولِ فصیل کا جواہر لال کیا دیں گے
 کہ دیکھو تو مسلمان کی مسلمانی کے کھیلوں کو
 گورنر ڈھونڈتے پھرتے ہیں انتہی کے ڈھیلوں کو

۱۲- جولائی ۱۹۳۷ء

ہندو مہاسبھا کی فتنہ انگیزی

نہیں ہندو متال آزاد ہو سکتا قیامت تک
 پراپوں کی دوا اندازی کا رونا کوئی کیا روئے
 اگر یوں ہی رہی ہندو مہاسبھا کی فتنہ انگیزی
 جب اپنے کر رہے ہوں آپ اپنی آبروریزی
 وہ ہیں تلخی بکائن کی تو ہیں یہ مہرچ کی تیزی
 کہ اٹھے ان کے سر سے سایہ تہذیب انگیزی
 وہ زہریلی یہ قہریلی وہ سیوالی یہ چنگیزی
 مسلمانوں کی ہو سکتی نہیں اس کے ہوا خیزی
 جو اہل عمل اور ہندو مہاسبھا کی باہم آویزی
 غنیمت ہو کہ آپنچی وطن کی لاج رکھنے کو
 سکھائی براؤ بکے بادلوں کو میرے خار نے

گہرائی گہرائی گہرائی گہرائی

۱۵ جولائی ۱۹۳۷ء

اتحادِ اسلامی

آقائے مہدوب زادہ مدیرِ چہرہ نما "قاہرہ نے اپنے اخبار کی ایک حالیہ اشاعت میں مسأۂ فلسطین پر چند مقالے شائع کئے۔ ایک مقالے میں آقائے محترم نے مفتی امین احمینی قائدِ فلسطین سے ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ جب آقائے مہدوح ہندوستان سے واپسی پر براہِ طہران عازمِ کربلا ہوئے تو مفتی صاحب بھی ان کے ہم سفر تھے۔ ایک دن آپ نے اُن سے دریافت کیا کہ شیعوں اور سنیوں کے تعلقات کے بارہ میں جناب کا کیا خیال ہے۔ مفتی صاحب نے جواب دیا کہ اسلام کے ان دو فرقوں کی کشاکش تقویمِ پارینہ بن چکی ہے۔ موجودہ اسلامی دنیا میں اس اختلاف کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ اس حقیقت پر سب سے بڑی روشنی یہ دلیل دی جاسکتی ہے کہ کربلائے معلیٰ میں شیعہ امام کے پیچھے فریضہ نماز ادا کرتے ہوئے ہیں اور دوسرے حنفی المذہب مسلمانوں نے کسی قسم کا تاثر نہیں کیا۔ اس سے پہلے بیت المقدس میں اسلامیانِ عالم کی مؤثر منعقد ہوئی جس میں مختلف اطرافِ عالم کے ایک لاکھ فرزندانِ توحید شریک تھے لیکن تمام حنفی مسلمانوں نے مسجدِ اقصیٰ میں نماز جمعہ ایک شیعہ مجتہد حضرت حجتہ الاسلام کا شرفِ الغطا کی اقتدا میں

اداکی۔ ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ دُنیا کے اسلام شیعہ متی مناقشت سے
بہت جلد ہو چکی ہے مفتی صاحب کے ارشادات سے میرے دل پر جو اثر ہوا
میں کی تصویر اشعار ذیل میں ملاحظہ ہو:-

گرفتار ان بوبکر و علی اچھی طرح سن لیں کہ اُن کی حقیقت نے کام غیروں کا کالہ ہو
بڑھانی ہو اسی نے طاقت استعمارِ مغرب کی اسی نے نام رہ رہ کر نصاریٰ کا اچھا لہو
منقاد اسلام کا پالا ہو دونوں کی کشاکش سے عرب پر اور عجم پر یہ معما کھلنے والا ہو
خدا و دونوں کا ایک اور ایک سے دونوں کا پیغمبر جنہوں نے ایک ہی سانچے میں ان دونوں کو ڈھالا ہو
یہ شان اسلام کے لشکر کی پھیں گے حریفِ اک دن کہ متی بلٹنوں کے ساتھ شیعوں کا رسالہ ہو
کہیں گے اعتراف انگورہ آکر انھیں ایڈن
کہ بول اسلاموں کا آج بھی مشرق میں بالہو

لاہور ۱۶۔ جولائی ۱۹۳۷ء



تابوتِ سکینہ

جن صدیوں میں ہندو کی غالب اکثریت کے بل پر کانگریس نے سیاسی تفوق حاصل کر لیا ہے وہاں کے بعض مسلمان رب کعبہ کی نامتناہی رحمتوں سے مایوس ہو کر اپنی عافیت اسی میں دیکھتے ہیں کہ اسلام کی دہلیز کو چھوڑ کر اصنام کی چوکھٹ پر سر رکھ دیں۔ محمد مصطفیٰ کی رضا جوئی کا اتنا خیال نہ رکھیں جتنا گاندھی جی کی خوشنودی مزاج کا۔ دینِ قیم کی روایات بڑی شاندار ہیں۔ لیکن کانگریس کے کابینہ میں گاندھی جی کے ہاتھ پر بیعت کئے بغیر وزارت کا منصب تو نہیں لائیں گے۔ یاس و فطرت کی یہ کیفیت مسلمان انجاردوں کے ایک خاص طبقہ کے قلب پر بھی طاری ہونے لگی ہے جن کے لب و لہجہ کی تبدیلی دیکھ دیکھ کر خدا یاد آتا ہے کہ کل تک تو سرکارِ مدینہ کے آستانہ کا طیران کرتے ہوئے دیکھے جاتے تھے اور آج گاندھی جی کی حویلی کی پگڈنڈی پر پیٹ کے بل ریٹکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

انہیں جبراً میں سجنور کا اخبار دہلہ دینا بھی ہے جو کبھی اسمِ باسمنی تھا لیکن آج کل برعکس نہ نامِ رنگی کا نور اچھا خاصہ سمات بنا ہوا ہے۔ کانگریس اور گاندھی جی کو خوش کرنے کی دھن میں اس اخبار نے اپنی تمام گزشتہ روایات کو طاقِ نییاں کے حوالے کر دیا ہے۔ اسلام کے سوا اعلیٰ کو انگریزوں کا ٹوڈی کننا، ان آزاد خیال مسلمانوں کو جن کا جرم صرف اس قدر ہے کہ وہ کانگریس میں جذب ہونا

حیثیت سے اُس کے ساتھ اشتراک عمل کرنے پر آمادہ ہیں، پانی پی پی کر کو سنا، ہندوؤں سے خراج تحسین حاصل کرنے کے لئے مسلمان اکابر پر جھوٹے الزام لگانا "مدینہ" کا محبوب ترین شغل ہے۔ فوا اسفا وامصیبتا!

۱۷ جولائی ۱۹۳۷ء کے "مدینہ" میں ایک طویل و عریض و شناسام نامہ شائع ہوا جس کی نہر لود

سرخیاں ملاحظہ ہوں۔

یوم شہید گنج پر مسلمانوں کے جلسہ میں پھر ہنگامہ ہو گیا
مہانتا گاندھی پنڈت جواہر لال نہرو اور کانگریسی
رہنماؤں کو گالیاں۔ مولیٰ ناطفہ علی خاں کے حامیوں
کی شرمناک حرکت

جو کچھ ان نہریہ عنوانات والے مضمون میں لکھا گیا اُس کا ماخذ "پرتاپ" اور "ہلاپ" ہے اور اسی وضع و تماش کے اخبارات کی قلم کاریوں کا خلاصہ ہے اور اس کا بڑا حصہ کذب و افترا محض ہے۔ یوم شہید گنج کی تقریب پر جو جلسہ منعقد ہوا اس میں مسلمانوں کی تعداد کسی طرح بیس ہزار سے کم نہ تھی اور اس میں کوئی ہنگامہ نہ ہوا تھا۔ گاندھی جی اور پنڈت جواہر لال نہرو پر البتہ ذرا گرم تنقید ہوئی تھی۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ اس تنقید سے "مدینہ" کے پرپیٹیں تو لجن کا مرد و ترکیب اٹھتا ہے۔ اس جلسہ کی تنقید کا لب لباب یہ تھا کہ جہاں تاک کانگریس کے اصولوں کا تعلق ہے وہیں اُن کے ساتھ اتفاق ہے مگر ہم اپنی داڑھی گاندھی جی کے ہاتھ میں دیتا پسند نہیں کرتے۔ "پرتاپ" یا "ہلاپ" بن کر "مدینہ" اگر ان باتوں پر بگڑتا ہے تو بگڑا کرے۔ مسلمانوں کو اس کی کوئی پروا نہیں۔ وہ شوق سے اپنی داڑھی گاندھی جی کے ہاتھ میں بٹھا دے۔ جس کم جہاں پاک!

۱۷ جولائی ہی کی اشاعت میں "مدینہ" نے مسلمانوں کو ذلیل کرنے کے لئے ایک اور چھکتا

ہوا جھوٹ تصنیف کیا ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :-

یکم جولائی ۱۹۳۷ء کو مراد آباد میں ایک جلسہ ہوا جس میں نطفہ علی خاں جیسے کا

لیس انری نے شرکت کی۔ اور کانگریس کے

مسلم نوجوانوں نے اس بد تہذیبی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تو ان غریبوں کو نہایت بد تہذیبی اور فرعونیت کے ساتھ جلسہ گاہ سے نکلوا دیا گیا۔

”مدینہ“ کے کارفرمائیں اور کارپروازوں کو تو اچھی طرح معلوم ہے کہ جو کچھ انہوں نے لکھا ہے اس کی کوئی اصلیت نہیں۔ لیکن ساری دنیا بھی دل کے کان کھول کر سن لے کہ جس یکم جولائی ۱۹۳۷ء والے جلسہ کا ذکر ”مدینہ“ میں ہوا ہے اس میں ظفر علی خاں شریک ہو ہی نہ سکتا تھا اس لئے کہ وہ مراد آباد میں موجود نہ تھا بلکہ پنجاب میں تھا۔ اسی قسم کی افترا پردہ ازبوں کو یہودیہ نہ کہا جاتا ہے۔

ایک بات البتہ ”مدینہ“ نے سچی لکھی۔ ظفر علی خاں واقعی کا سہ لیس ہے۔ اور وہ بھی ازلی جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ جب ”مدینہ“ پر انگریزی حکومت کے عتاب کا نزلہ ضمانت کی شکل میں گرا تو ظفر علی خاں نے اس کی شان میں ایک ہنگامہ خیز نظم ”مدینہ کہئے“ لکھ کر ”مدینہ“ کی زمین پر لکھ کر خوشامد اور ٹوڈی پن کی حد کر دی۔ اس نظم کا ایک شعر اٹم کو ابھی تک یاد ہے۔

اس میں غم ساری خدائی کے سما جاتے ہیں
تیرے سینہ کو زمیندار کا سینہ کہئے!

”مدینہ“ اب وہ ”مدینہ“ نہ رہا۔ آج کل وہ شومناں ہے۔ اس لئے بہتر ہو گا کہ اسی مناسبت سے ایک نئی سوغات اس کی خدمت میں پیش کی جائے۔ سنئے:-

جب ”مدینہ“ کے قلم کار یہودی ہو جائیں کیوں نہ پھر اس کو بھی نابوت کہئے
کالی ماتا کی اسے لکھتے چپنتی بیٹی یا مہادیو کی اولاد نہ کہئے
قادیان جس سے ہوا زیر سل ہوٹل میں اس کو اٹلی کی وہ سفاک حسینہ کہئے

۱۵۔ افسوس کہ یہ نظم پوری نہیں مل سکی۔ مولوی نجمہ حسن صاحب مالک اخبار ”مدینہ“ بجنور کو خط

لکھا گیا۔ مگر انہوں نے خط کی رسید سے بھی سہرا نہ دیا۔

گاندھیری رنگ ہیں اسلام کی کیجئے تعبیر
 یعنی اس کو ہو بس نایاب شہینہ کہئے
 کانگریس جس سے مسلمان کو لیتی ہر خرید
 اپنے سینہ کو اُسی زر کا خزینہ کہئے
 اُڑ رہا جس پہ ہر نر و کا ترنگا جھنڈا
 اپنے اخبار کو اُس بام کا زینہ کہئے
 وہ دُعا آپ کو دے آپ اُسے گالی دیں
 آپ ہیں یا ہے زمیندار کہئے

۱۹ جولائی ۱۹۳۷ء



تجویر تقسیم فلسطین بنوک سنگین

لندن کے کمیشن کی سفارش سے پریشاں
 ساماں ہیں نئی جنگ صلیبی کے نمودار
 زینت جسے دی سرخی خون شہدا نے
 کہتے ہیں جسے مل کے یہود اور نصاریٰ
 اس خواب کی تعبیر انا ترک سے پوچھے
 وہ جنگ پلٹ دے گی جو کایا عربوں کی
 ہیں اس میں ہمارے جگر خستہ کے تکتے
 سب شیخ فلسطین ہیں امڈ شاہ فلسطین
 خنجر بکف اٹھنے کو ہیں اعراب فلسطین
 اسلام کے قصے میں وہ ہر باب فلسطین
 ہتے تاک میں اُس ناؤ کی گرداب فلسطین
 دیکھا ہے یہودی نے اگر خواب فلسطین
 لکھیں گے اُسے غزوہ احزاب فلسطین
 سونڈھی انہیں تکیوں سے ہوئی قاب فلسطین

ہیں آج کہاں مسجد اقصیٰ کے محافظ

دیتے ہیں ندامتبر و محراب فلسطین

۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء

ہندوستان کا مذہب

روٹی

چادرِ شرعِ نبیؐ جس دن سے چھوٹی ہو گئی
 جب جواہرِ ہل نہ رہیں خدا اس دیس کے
 ہند میں تقسیم اس کی بوٹی بوٹی ہو گئی
 شکوہ پھر کیا کہ قسمت میری کھوٹی ہو گئی
 خون پی پی کر مرا یہ چونک موٹی ہو گئی
 کانگرس ان سب کے سینگیوں کی سنگوٹی ہو گئی
 دادِ ریغا شرح اس کی کمرٹ کوٹی ہو گئی

شیخ کی داڑھی پہ رہ رہ کر کئے جاتی ہر چوٹ
 شیخ کتنی برہمن کے سر کی چوٹی ہو گئی

لاہور ۲۰ جولائی ۱۹۳۷ء

۱۵ جگت گرو شکر اچاریہ ڈاکٹر کزنکوٹی

مسجد شہید گنج پر جان نچھاور کر بیواؤں کی یاد

مجلس اتحاد و ملت کی طرف سے ۲۲ جولائی ۱۹۳۷ء کو آن فرزند ان اسلام کی دوسری برسی کا یادگار دن منایا گیا جنہوں نے ۲۲ جولائی ۱۹۳۵ء کو مسجد شہید گنج کی عزت پر اپنی جان قربان کر دی تھی۔ ان عالی مقام شہداء کے مزاروں پر جا کر فاتحہ پڑھنے کی سعادۂ مجھ کو بھی نصیب ہوئی۔ وہاں سے جو تاثرات تئیں میں لایا انہیں نے اشعار ذیل کی صورت اختیار کر لی۔

مرتبہ تم کو شہادت کا ملا تم پر سلام	بھیجتا ہے عرش اعظم سے خدا تم پر سلام
کرو یا تم نے حیات جاہل کا راز فاش	تم نے جان اسلام پر کر دی فدا تم پر سلام
سرکٹا کر تم نے رکھ لی عزت شرع نبی	کیوں نہ پھڑ پھڑیں محمد مصطفیٰ تم پر سلام
ہند میں ہو تم حسین ابن علیؑ کی یادگار	جاں نثار ان شہید کر بلا تم پر سلام
اپنی قربانی سے یاد قرن اول تازہ کی	اپنے خون سے نقشہ کھینچا بدر کا تم پر سلام
ذرا ذرا ہے مقدس بلدہ لاہور کا	جس کی گلیوں میں تمہارا خون بہا تم پر سلام
زندہ رہنا ہر قوم نا کوئی ہم سے سیکھ جائے	یہ سبق احرار کو تم نے دیا تم پر سلام

لوٹنا مسجد کی خاطر خون ہیں اور زہا کی ہیں

کیسی پیاری رسم کی ہے اس کا نام

جھانسی کی مسلم لیگ کی شاندار فتح

لیگ کو دی خدا نے فتح میں کانگریس کو شکست فاش ہوئی
 جان لاہور لے گیا جس کی جا کے جھانسی میں سرگباش ہوئی
 ستیہ پال کے لئے یہ خبر دل نگار اور جگر خراش ہوئی
 یہ صراحی بھی کیسی نازک تھی ٹھیس لگتے ہی پاش پاش ہوئی
 لیگ والے ہمپر پور گئے جنس ایماں کی جب تلاش ہوئی
 میں نے دی لیگ کو مبارکباد کہ وہ ملت کی خواجہ تاش ہوئی
 ہنر باں ہیں ملائکہ میرے اُن کو بھی فکر زندہ باش ہوئی

گوشت خوروں سے وہ لڑیں گے کیا

جن کو مرغوب دال ماش ہوئی

جیرانِ رسول کا پیغام

تجویزِ تقسیمِ فلسطین کے خلاف اظہارِ غیظ و غضب

حرم سے جو پیام آیا ہے تم نے پڑھ لیا ہوگا
 ہے اُس کا فقرہ فقرہ شرح ارشادِ پیغمبر کی
 مسلمانوں کا پہلا قبلہ واقع ہے فلسطین میں
 اور اُن کا فرض ہے تطہیر اور تقدیس اس گھر کی
 خدا کی رحمتیں چھائی ہوئی ہیں اس کے آنگن پر
 خدا کا نور ہے آرائش اس کے بام اور در کی
 جناب حضرت فاروقِ اعظم کے تجل نے
 بڑھائیں رونقیں جب مسجدِ اقصیٰ کے منبر کی

تو فرمایا کہ اب اس میں یہودی رہ نہیں سکتے
 فلسطین میں نہیں گنجائش ان کے فتنہ و مشرکی
 اگر انگریز نکراتے ہیں آج اس قولِ فصیل سے
 منافی چاہئے خمیر اُن کو اپنے کا سہ سر کی
 فلسطین پہلے دن سے گھر ہے فرزند ان بطحاکا
 نکلنا اُن کا اس کشور سے صف بچھنی ہے محشر کی
 نہیں ڈرا برہمہ کی پورشوں کا کعبہ والوں کو
 لکاک جن کو میسر ہے ابا بیلوں کے لشکر کی

لاہور

۲۲ جولائی ۱۹۳۷ء



محسن شاہ کی موٹر

نواب نثار علی خاں قزلباش رئیس اعظم لاہور کے چھوٹے بھائی تکمیل تعلیم کے بعد جب لندن سے واپس وطن آئے تو نواب صاحب نے اُن کے آنے کی خوشی میں احباب کو نہایت وسیع پیمانہ پر ایک پُر تکلف دعوت دی جن احباب کے نام دعوت کے رقعے جاری کئے گئے اُن میں علامہ اقبال اور سید محسن شاہ بھی شریک تھے۔ ایک رقعہ میرے نام بھی آیا تھا۔ سید محسن شاہ اپنی موٹر پر آئے۔ اس خیال سے کہ سید صاحب کچھ مولانا شوکت علی تو ہیں نہیں کہ ساری موٹر میں اُن کے تن و توش کے سوا اور کسی کی گنجائش نہ نکل سکے۔ میں نے اور علامہ اقبال نے اُن سے کہا کہ اختتام دعوت پر ہم آپ کے ساتھ چلیں گے۔ لیکن جب دعوت ختم ہوئی تو سید صاحب مع موٹر غائب تھے اس پر بے ساختہ میری زبان سے نکلا:-

برق پا موٹر ہے محسن شاہ کی واہ کیا موٹر ہے محسن شاہ کی
 کر نہیں سکتی ہمارا انتظار بے وفا موٹر ہے محسن شاہ کی
 چھینے جاتی ہے دل سرکار کو دل سے محسن شاہ کی

علامہ اقبال نے یہ اشعار سن کر کہا کہ موٹر کی بے حیائی کے متعلق بھی کچھ
کہا ہوتا۔ یوں کیوں نہیں کہہ سکتے

بے حیا موٹر ہے محسن شاہ کی

میں نے معاً کہا۔

غیر سے ہے بسکہ اس کی زعم و راہ
رُخ نہیں کرتی تھینے کی طرف
بے حیا موٹر ہے محسن شاہ کی
پارسا موٹر ہے محسن شاہ کی
خود تو محسن شاہ ہیں خاکی نثرِ اد
بادِ پا موٹر ہے محسن شاہ کی!



لگاؤ اور لاگ

گرمی اُٹھ رگت کی اور چاء کی ادا دھر اُوپر اگر ہے آگ تو نیچے بھی آگ ہے
 ہے مذہبِ حجاز کی ضد دینِ قادیان اُس سے مجھے لگاؤ ہے اور اس سے لاگ ہے
 مُنہ زور ہو رہی ہے خلافت کی مادیات ملتانیوں کے ہاتھ میں آج اس کی باگ ہے
 گلِ موسیٰ ویشیر کے گھر کا ہوا چراغ آج اُن کی نعرہ دس کا لٹتا سہاگ ہے
 اسلام تاکتا ہے محمد علی کو اب
 باقی جو رہ گیا وہ پُرانا یہ گھاگ ہے

کرم آباد

۴۔ اگست ۱۹۳۷ء

تابوتِ قادیان میں آخری منج

نبی کی شرم نہ ہو خوفِ لا الہ نہ ہو
اگر چھنے بھی تو گاڑھی چھنے یہود کے ساتھ
امان ہو وہی بخشے کلیسیا جس کو
نجات سے رہے محروم تا بہ شامِ ابد
شراب آئے تو تثلیث کے خمستان سے
پٹھی کی ٹچ پہ جو بارش ہو نقرہ و زر کی
سوادِ عرش سے اترے محمدی بیگم
خدا کہے کہ انا منک ایہا المرزا
کرے جو بعد میں اصرار اُنٹِ مٹی پر
نہ لطف بیٹھ کے بھرے میں دبیاس کی سیر
غرض صحیفہٴ اعمال پر پڑے جو نظر
جب اس میں جمع ہیں یہ سب جنہی صفتیں

ہوس نہ جس کی ہو ایسا کوئی گناہ نہ ہو
نہ ہو تو شرعِ نبی ہی سے رسم و راہ نہ ہو
پناہ ہو وہی کعبہ کی جو پناہ نہ ہو
وہ بد گھر جو نصاریٰ کا خیر خواہ نہ ہو
نہ ہو تو بادۂ توحید ہی کی چاہ نہ ہو
تو پھر خزانہٴ قاروں پہ بھی نگاہ نہ ہو
قیامت آئے اگر اس دن سیاہ نہ ہو
تو لنگ ہو وہ زباں جس پہ واہ واہ نہ ہو
تو قدسیوں کو بھی یا لائے اشتباہ نہ ہو
اگر غل میں کوئی ماہِ نیم ماہ نہ ہو
نہ کوئی گوشہ بھی ایسا ہو جو سیاہ نہ ہو
غرض کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بھلے اور پکڑے

کریں جو گائے پر آدم کی آبر و قربان
 وہ آدمی نہیں ڈھوروں کے چند گھٹے ہیں
 جواب بن نہیں پڑتا مرے سوالوں کا
 لڑا رہے وہ نئی بانگی کے ٹٹے ہیں
 جہاں مسلٹوں کو گنر بھڑ میں بھی مل نہ سکے
 وہ رائے رام سرنداس کے ٹھٹے ہیں
 وہ جوتیاں کبھی مٹی تھی جن میں ماش کی دال
 اب ان میں بانٹتے خوشحال چند بھٹے ہیں
 دہی بڑوں سے ہر لذت سو اپکوڑوں میں
 مرے مرے کے اللے ہیں اور تلے ہیں
 جماؤ بتکدہ میں کب تکاں کے آسن کا
 بچھے ہوئے ادھر اسلام کے مُصلے ہیں

پھرا ہے دیکھتے ہی جن کے ہر دوار کا مُنہ
 وہ کعبہ والوں کے جبرے ہیں اور کلے ہیں

۵۔ اگست ۱۹۳۷ء

۱۵ لاہور کے ہندوؤں کے خفیہ عمرانی قانون کی یہ پہلی دفعہ ہے کہ ان کے محلوں میں کسی مسلمان کو
 مکان بنانے کے لئے زمین نہ ملنے پائے اور نہ کسی مسلمان کو مکان کرایہ پر دیا جائے۔
 ۱۶ لاہور خوشحال چند خورشید مدنیہ ملاپ کے سمدھی بھٹلے صاحب ہیں جو جوتوں کی تجارت کرتے
 ہیں پنجاب میں بھٹلے دہی بڑوں کو کہا جاتا ہے۔

فرقہ پرستی اور قوم پرستی

جس نے لیانہی کا نام فرقہ پرست ہو گیا
چپ ہیں سارے حق پرست جب اذان کی بکا
جس کو پڑا خدا سے کام فرقہ پرست ہو گیا
جس نے کیا یہ اہتمام فرقہ پرست ہو گیا
دیتے ہی کعبہ کا پیام فرقہ پرست ہو گیا
دیتے ہی کعبہ کا پیام فرقہ پرست ہو گیا
اس میں ہوا جسے کلام فرقہ پرست ہو گیا
اس میں ہوا جسے کلام فرقہ پرست ہو گیا

آج ہو کا نگریں کا راج ہو ہی راج رام راج

کر نہ سکا جو رام رام فرقہ پرست ہو گیا

دیں کا جو مذاق اڑائے قوم پرست ہو ہی
گاندھی و نہرو و پٹیل وقت کے یہ خدا ہیں تین
اٹھ کے جو سجدوں کو ڈھائے قوم پرست ہے وہی
راؤن ان کے گن جو گائے قوم پرست ہے وہی
گائے کے نام پر بدائے قوم پرست ہے وہی
جو یہ سلیقہ سیکھ جائے قوم پرست ہے وہی
ہم کو کہے وطن فروش آپ بنے وطن پرست
ہم کو کہے وطن فروش آپ بنے وطن پرست

قوم پرست ہو ہی کہتے ہیں جس کو مبت پرست

۶ اگست ۱۹۴۷ء جس سے ہیں خدا بچائے قوم پرست

مسلمانوں کی بُت پرستی

بُت پرست اپنے نسب پر جب اترانے لگے ہم مسلمان زراہہ کھلانے سے شرماتے لگے
 کیا قیامت ہو کہ جس کا نام ہی تھا بُت کن بُت کے آگے سر اُسی بُت کا جھک جانے لگے
 نعمۂ توحید اب کس کی زباں پر آئے گا جب خود ابراہیم بندے ماترم گانے لگے
 سو نہ ہی ہم نے مسلمانوں کی قیمت آپ کو ویسرا گاندھی سے خلوت میں یہ فرمانے لگے
 ہندوؤں کا مل گیا قارودہ انگریزوں کے ساتھ اُن کے دن اچھے ہمارے دن بُرے آنے لگے
 کیا تعجب ہے کہ اپنی دیکھ کر چڑھتی کمان کانگرس پنجاب میں بھی پاؤں پھیلانے لگے
 وقت پہنچا کہ اپنوں کی یہ حالت دیکھ کر وقت کا کوئی نقیب اس طرح چلانے لگے
 نا خدا کے کشتی ماگر نباشد گومباش

۹۔ اگست ۱۹۳۷ء ماخدا واریم مارا ناخدا اور کار نیست

۱۔ حافظ محمد ابراہیم جو مسلمانوں سے کٹ کر گاندھی جی کے ہاتھ پر بیعت فرما چکے ہیں اور آج
 اسی بُت فریشتی کے صلہ میں پنڈت گوند بلجھ پنت صد اعظم ممالک متحدہ آگرہ داؤد
 کے دست چپ بنے ہوئے ہیں۔

محمد یعقوب کا نیا مذہب

غمِ اسلام میں انگریز بھی تھا بس کہ نڈھال
 ہم کو دیتے تھے نصاریٰ کی موالاں کا درس
 غلط ہوتا تھا کہ ہے ملتِ پیضا واحد
 ہم کو تھا حکم کہ ہندو سے نہ رکھو سروکار
 ہم سے کہتے تھے کہ گنگا میں بیاہو طوفاں
 آج ارشاد یہ ہوتا ہے کہ بت خانہ میں جاؤ
 آج ملت سے علانیہ کہا جاتا ہے
 آج ہر صوبہ کو تعلیم یہ دی جاتی ہے
 آپ کو کس نے سکھایا ہے جناب والا
 گھلے جاتے تھے اسی غم میں محمد یعقوب
 کہ یہی شیوہ خود اللہ کو بھی ہے مرغوب
 نہیں اسلام میں گنجائش احزابِ شعوب
 کیونکہ ہر اس کو مسلمان کی تباہی مطلوب
 دیکھنا اس میں کہیں کشتی دیں جائے نہ ڈوب
 اور کرو شوق سے اصنام کی تسخیرِ قلوب
 جی اچھا ہے کہ ہو جائے بتوں سے مرغوب
 کہ تشدد نہیں از روئے شریعتِ معیوب
 اس نئی وضع کی اسلام کشی کا اسلوب

آپ کو اس کی خبر بھی ہے کہ ہم جانتے ہیں
 آپ کے پردہ زنگار کے معشوق کو خوب

۱۲۔ اگست ۱۹۳۷ء

شرط آزادی کامل

مسک آزادی کامل کا نہ ہو جس کو پسند
 صبح پکین میں کٹی شام ہوئی لڑبن میں
 ہند آزادی ہو گا مگر اس کی ہے یہ شرط
 آج ایمان کی چچان وطن میں ہے یہی
 ہند پر بند ہوئی راہ خمستان حجاز
 کہ درخانہ ترو پرو ریا بکشانند

مترتبہ کیوں ہو پھر اس قوم کا دنیا میں بلند
 جب اڑا دیں حجازی کا ٹیک گام سمند
 کہ ہو گھر دن میں محمد کی علامی کی کند
 دل میں ہو زہر ہلاہل تو زبانوں پہ ہونند
 درمیانہ نہ بستند خدایا پسند

کلکتہ - ۲۵ - اگست ۱۹۳۷ء

دو اسلامی تقریریں

انجمن اسلامیہ ڈگشائی کی دعوت پر اُس کے سالانہ جلسہ تبلیغ میں شرکت کی غرض سے میں ۲۷ اگست ۱۹۳۷ء کو شملہ سے ڈگشائی پہنچا اور احباب کی فرمائش پر ذیل کے تین اشعار فی المہدیہ کہے :-

بعد باون سال کے ڈگشائی میں آیا ہوں میں صبح کا بھولا ہوا آہی گیا گھر شام کو
ہندوؤں کے سامنے انگریز چھکنے لگ گیا دیکھتا ہوں انقلاب چرخ نیلی قام کو
ایک دن وہ بھی خدا کے فضل سے آجائے گا جان بُل جھک کر کہے گا جب سلام اسلام کو
اگلے دن واپس شملہ جا کر مقامی انجمن اسلامیہ کے جلسہ میں شریک ہوا۔ وہاں بھی

کچھ اشعار کا تقاضا ہوا جسے یوں پورا کیا گیا :-

خوش رہے اسلامیانِ شملہ کی یہ انجمن جس کی ہمت نے اُچھالا ہر سلف کے نام کو
ہوگی اس کی زندگی پائندگی کی ہم ردیف بسکہ اس نے نام پر ترجیح دی ہے کام کو
فرض ہو اس کا کہ پہنچائے بہ حسنِ اہتمام کو چہ کو چہ میں رسول اللہ کے پیغام کو
اُس خدا کے سایہ تاج اس سر کو ہر نصیب شملہ
۲۸ اگست ۱۹۳۷ء جس خدا کی رحمتیں شامل ہر خاص و عام کو

گو جبرخان

یہی ہے شان ایمان مسلمانانِ گو جبرخان
 کفن پر پوش ہو کر گھر سے نیلی پوش جبکے
 کہ ہر ایک ایک ان میں لوج ذر و مسلمانِ گو جبرخان
 میں سمجھا بد رسکا میدان ہو میدانِ گو جبرخان
 اب اس سے بڑھ کے کیا ہو گا شرمسا مانِ گو جبرخان
 وہ منت آنے کو ہر دارا ہو جب بانِ گو جبرخان
 ہیں شراب اس شراب تیز سے نڈانِ گو جبرخان
 خدا جب میراں ہو اور ہوں میں گناہِ گو جبرخان
 رہے گا مذنوں ملت پہ یہ احسانِ گو جبرخان
 بہارستان نظر آتا ہو خارستانِ گو جبرخان
 کرشمہ تھاپے میرے خامہ رنگیں کی قدرت کا
 کٹانا راہ حق میں ہر سکھایا اپنے بچوں کو
 یکس کی آمد آمد ہو کہ پلوں کے جھپکتے ہی
 گلستان بن گیا ہو گلبنہ احزانِ گو جبرخان

یورپ کا حربی زلزلہ

غوغائے اذاذ لزلت الارض بپا ہے پوری ہوئی اللہ کی قدرت کی وعید آج
 ہے لرزہ بر اندام ہمالہ کی ترائی ہے فرش زمیں درگرو بطش شدید آج
 سننے تھے کہ آنے کو ہواک روز قیامت ہے دید کے پردہ پہ ہویدا یہ شنید آج
 روتی ہوئی لندن میں نظر آتی ہے مجھ کو رکھے ہوئے سرخاک پہ تہذیب جدید آج
 کالوں کو مبارک ہو کہ گورس گھر د میں بھونچال مساوات کی لایا ہے نوید آج
 نازل ہوئی دونوں پہ برابر کی مصیبت آفت زدہ یکساں ہیں اور سپید آج
 مظلوم کی فریاد سنی اُس کے خدا نے کٹنے کو ستمگار کی ہے جہل ورید آج

گر اب بھی لگے درد کی چوٹ اُن کے جگر میں
 ہاتھ آئے انہیں روضہ راحت کی کلیک آج

۲۲ ستمبر ۱۹۳۷ء

نارحبلیستان

۱۹۳۱ء میں مجھے مالا بار جانے کا اتفاق ہوا۔ اس سرزمین میں اردو زبان و ادب کی روشنی بہت کم پہنچی ہے۔ اور مالا بار کے مسلمان جو آبادی کا جزو غالب ہیں۔ زیادہ تر ان زبانوں کے دلدادہ ہیں جو پوجہ تمام اسلامی روایات کی آئینہ دار نہیں ہو سکتیں۔ میں نے اس ثقافتی انحطاط کی طرف حاجی سیٹھ عبدالستار ممبر سنٹرل اسمبلی اور دوسرے اکابر مالا بار کو توجہ دلائی جو نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔ چنانچہ وہاں انجمن اردو کی بنیاد ڈالی گئی۔ اس انجمن نے چھ سال کے عرصہ میں جو شاندار خدمات انجام دیں وہ اس امر سے ظہر ہے کہ آج مالا بار کی مسلم آبادی ذوق اردو سے آشنا ہو چکی ہے۔ اس دور افتادہ مدراسی خط میں اردو کی رفتار ارتقا کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہاں سے ایک اعلیٰ پایہ کا اردو رسالہ جاری ہونے والا ہے۔ اس سلسلہ میں سیٹھ عبدالکدیم اختر کا ایک مکتوب موصول ہوا جس میں رسالہ کی پہلی اشاعت کے لئے مجھ سے ایک نظم کی فرمائش کی گئی۔ اختر صاحب کے مکتوب کا جواب ذیل کی نظم میں دیا گیا۔ میری اس نظم کے موصول ہونے پر رسالہ کا نام نارحبلیستان تجویز کیا گیا۔

وہ مالا پار جس کو برہمن کیرالہ کہتا ہے
 یہاں کے سارے چشمے پھوڑ کر نکلے ہیں جڑ سے
 کیا ہے زندہ اس نے رحم ابراہیمؑ اور کو
 خدا کے نام پر مٹنے والے اس میں بستے ہیں
 پیام بیرونہ صد سالہ صبح و شام آتا ہے
 نہ کیوں پھر نام رکھا جائے اس کا جبریلستا
 زبان شیخ میں کہتے ہیں اُس کو نارنجیستا
 اسی نسبت سے کہہ سکتے ہیں اس کو سلسبیلیستا
 پھر اس کا کیوں نہ یہ حق ہو کہ کھائے خلیستا
 یہ ہی توحید کے پرچم کشاؤں کا قتیستا
 ہر سپاہ میں جو مل زنجبیلی ہو مزاج اُس کا
 ہو ساقی ساقی شریک محفل زنجبیلستا

۲۵ ستمبر ۱۹۳۷ء



سرہربٹ ایمرن سے گلہ

کفر کی شوخی جھانک رہی تھی استعمار کے روزن سے
 ملت بیٹنا کو یہ گلہ ہے سرہربٹ ایمرن سے
 اُمت مرزا جھاڑ کی صورت لپٹی ہو دین کے دامن سے
 برق کلیسا کھیل رہی ہے شہرہیوں کے خرمن سے
 کس سے کریں فریاد مسلمان کیسے زباں پر آئے فضاں
 چھید رہی ہے جس کو حکومت استبداد کی سوزن سے
 جو نہ ہوئی مکہ میں میسرا ورنہ مدینہ ہی میں رملی
 آئے ہستی مقبرہ والے لے لے کے وہ عزت لندن سے

لاہور - ۸ - اکتوبر ۱۹۳۷ء

پیرزادہ

پیرزادہ ذکاء اللہ صدر مسلم یوتھ لیگ شملہ کی فرمائش کا جواب

محوِ جمالِ سادہ ہوں سرشارِ بادہ ہوں دونوں پہ حق مرا ہے کہ میں پیرزادہ ہوں
 پٹنی ہے ہر دوار میں پھل ہر اک طرف جس وقت میں جہاؤں کا کرتا نادہ ہوں
 وضع محمدِ عربی ہے مرا شعار میں اوڑھ کر حجاز کا آیا لبادہ ہوں
 مسلم ہوں فکرِ دوری منزل نہیں مجھے مانا کہ تم سوار ہو اور میں پیادہ ہوں
 تہذیبِ مغربی کی نہ دائرہی ہو اونہ مونچھ صورت یہ کہہ رہی ہو کہ نہ ہوں نادہ ہوں
 جس کو ادب سے بوسہ دیا جبریل نے اُس آستان پہ دیر سے میں سر نہادہ ہوں

ہندوستان میں آکے میں گمراہ ہو گیا
 گاندھی ہو جادہ اور میں خم و پیچ جادہ ہوں

شملہ - ۱۲ - اکتوبر ۱۹۳۷ء

مولانا ابوالکلام آزاد

اور

آل انڈیا مسلم لیگ

مولانا ابوالکلام آزاد نے حلقہ بجنور کے مسلمانوں کے نام ایک پیغام حافظ محمد ابراہیم کی حمایت میں شائع کیا جس کا مضمون یہ تھا کہ مسلم لیگ والے سب کے سب ارباب غرض اور رجعت پسند ہیں لہذا دوث مولوی عبد السمیع کی بجائے جنین کو نسل کی رکیت کے لئے مسلم لیگ نے نامزد کیا ہے کانگریسی امیدوار حافظ ابراہیم کو ملنے چاہئیں۔ اس مضمون کا ایک اشتہار قصیدہ کرتپور کی دیواروں پر چسپاں دیکھ کر اشعار ذیل سپرد قلم کئے گئے :-

بوالکلام آزاد سے یہ پوچھتے ہیں اے آج کل تم پیشوائے امت مرحوم ہو
کیا خطا کوئی بھی سرزد تم سے ہو سکتی نہیں
نہرودگانہ کی دل کا حال تم جانو اگر
کٹ کے اپنوں سے ملے ہو جل کے تم اغیار سے
ہم مسلمان ہیں جو ہیں اوج سعادت کے ہما
آج کل تم پیشوائے امت مرحوم ہو
تم بھی کیا پاپائے رونا کی طرح معصوم ہو
پھر ذرا تم کو بھی قدر عافیت معلوم ہو
پھر یہ کہتے ہو کہ ہم ظالم ہیں تم مظلوم ہو
آئیں اس کے سایہ میں ہم کس طرح جو بوم ہو

تم یہ کہتے ہو کہ مسلم لیگ ہر رجعت پسند
 کیا تماشا ہے کہ نہرو ہو ہمارا ترجمان
 کیا تماشا ہے کہ ہم گاندھی کے آگے سر جھکا دیں
 اے خدا راہ ہدایت اُس مسلمان کو دکھا
 وقت آپہنچا کہ ہوا اسلام کا بھنڈا بلند
 وقت آپہنچا کہ یا گاندھی پکارے کانگریس
 تم کہاں کے ہٹلر وقت اے مرے مخالف ہو
 اور غلامی کفر کی اسلام کا منقوسوم ہو
 کیا قیامت ہے کہ جو حاکم ہے وہ محکوم ہو
 غیرت اسلام کی دولت سے جو محروم ہو
 اور یہ نظم زندگی بار و گھر منظور ہو
 نعرہ مسلم لیگ کا "یا حتیٰ یا قیوم" ہو
 وقت آپہنچا کہ ملت کے مٹیں سب اختلاف
 اور ہمارے نام کی ہندوستان میں صوم ہو

کرت پور ریو-پی

۲۳- اکتوبر ۱۹۳۷ء



کانگریس اور مسلم لیگ کی انتخابی جنگ

حافظ ابراہیم اُدھر ہیں اور اُدھر عبد السمیع
اُس طرف آذر کے سارے بُت قُطا اندر قُطا
اُس طرف باطل کے شیداہل کی اکڑی گڑی نہیں
اُس طرف گاندھی کے فرماں پر ستر تکرم خم
اُس طرف نہرو پرستوں کے لئے بھارت کا راج
اُس طرف ہاتھوں میں ہو جھنڈا ترنگا دوم کا
اُس طرف گاہریں گنگا جل کی گدی مستیا
اُس طرف متھرا کے پیڑوں کی فقط پینل میں
اُس طرف ہوا احترام انگریز کے آئین کا
ہر دو تار سی ورس اُدھر ہی پیرنی تعلیم اُدھر
اور پرستار ان رب کعبہ کی تنظیم اُدھر
اور ہجوم کش تگابن خجہ تسلیم اُدھر
اور رسول اللہ کے ارشاد کی تعظیم اُدھر
اور خدا والوں کے سر پہ تاج ہفت اقلیم اُدھر
اور فضائیں اُڑ رہا ہے پرچمِ حم اُدھر
سانگینوں میں شراب کوثر و تسنیم اُدھر
احمد مرسل کے لطفِ عام کی تقسیم اُدھر
اور ہے اس آئینِ نافرجام کی ترمیم اُدھر

وہٹ دینے والوں لوکان دل کے کھیل کر

خطرہ ایمان کو اُدھر سے ہی نہیں یہ بیم اُدھر

ملتِ بیضا کے نورِ نظر

دبی ہوئی تھیں برہمن کے دل میں جو باتیں ہزار سال کے بعد آتی ہیں زبانوں پر
 ٹپکتی جن سے ہیں سرمستیاں مدینہ کی لگائے جائیں گے ٹیکس اُن شراب خانوں پر
 وہ گروہیں جنہیں انگریز بھی جھکا نہ سکا جھکانی جائیں گی ہندو کے آستانوں پر
 ہیں جن کے نرغہ میں اسلام کے کچھارے شیر بٹھائے جائیں گے بنیے اب ان مچانوں پر
 وہ بھلیاں جنہیں تڑپا دیا ہے کاشی نے گرائی جائیں گی کعبہ کے پاسبانوں پر
 کہہ رہی ملتِ بیضا کے بُت شکن فرزند گرے ہوئے ہیں علم جن کے آسمانوں پر

سوادِ اعظم اسلام کی نگاہِ امید
 جہی ہوئی ہے علی گڑھ کے نوجوانوں پر

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی پینین

۴ نومبر ۱۹۳۷ء

اچھوتی آزمائش

بچا لیتا ہے گاندھی جی کو یا لیتا ہے جان اُن کی
 اچھوتی وضع میں ہندو دھرم کی آزمائش ہے
 اچھوت اور برہمن کا فرق مٹ جائے تو تین جانوں
 سناتیوں کی اور ورن اشترم کی آزمائش ہے
 منیجی کا بھرم کھل جائے گا دو چار ہی دن میں
 اب اُن کے خم کی اور گاندھی کے دم کی آزمائش ہے
 کھلا دوں گا میں بھوجن مالوی جی کو اچھوتوں سے
 فقط اس میں مرے زورِ تسلیم کی آزمائش ہے
 فنا ہونے کو ہے کاشی سے اونچ اور نیچ کی لعنت
 رسول اللہ کے لطف و کرم کی آزمائش ہے

لاہور۔ ۶۔ دسمبر ۱۹۳۷ء

نوید عید

سعادتوں کے جلو میں چمکا ہلالِ شوال آسماں پر
 جمی ہوئی ہے نگاہِ عالم خدا کی رحمت کے اس نشان پر
 بپا ہوا غل کہ عیدِ آئی حیاتِ نو کی نوید لائی
 ترانہ نکبہ کا رواں ہے جہانِ اسلام کی زباں پر
 عرب کا فرخندہ فال قاصدِ پیامِ روزِ است لایا
 کہ تکبیر سے وہی ہوا چھابو ہو خداوندانس و جاں پر
 وطن کو آزاد و یکھنا ہے تو چھوڑ دے بندگی بتوں کی
 اگر حکومت کی آرزو ہے تو جھاک محمد کی آستیاں پر
 حیاتِ جاوید چاہتا ہے تو پہلے کر یہ سلیفت پیدا
 حسینؑ کی طرح کر بلا میں زمین پر تن ہو سرسناں پر
 شہمگروں کی شہمگری پر قضا فلسطین میں ہنس رہی ہو
 تنورِ مغرب بھڑک رہا ہو نظرِ ہوشعلوں کی پر نیاں پر

لاہور یکم ستمبر ۱۹۳۷ء

دستِ زرفشاں اور چپے کشاں

نئے تیراب کہاں سے لائے گی احرار کی ٹولی
 کہ خالی ہو چکا ان قاورانداؤں کا ترکش ہے
 ہے گاندھی جی سے ان کا رشتہ اندر یہ رشتہ ہے زریں
 کہ ہاتھ اُن کا زرفشاں ہے تو جیب اُن کی بھی ترکش ہے
 کسی دن سترگوں دیکھیں گے اس کو دیکھنے والے
 سوادِ اعظمِ امت سے جو بد بخت سرکش ہے

لاہور - ۱۲ - دسمبر ۱۹۳۷ء

حلقہ امروہہ کی انتخابی ویزش

اگر میٹہ زور سے ہر سا تو گل جائیں گی دیواریں
 کہ اینٹیں ساری کچی ہیں بشیر احمد کے بھٹے کی
 بتوں سے جا ملے کٹ کر ہمارے مولوی ہم سے
 نہ رکھی شرم انہوں نے اپنی پیشانی کے گھٹے کی
 مسالہ پیستے ہیں جس پہ وہ بے دانت کی سل ہے
 نہ کچھ بھی چل سکی ان کانگریس والوں کے بٹے کی
 لبیا شوکت علی نے ہاتھ میں اسلام کا ڈنڈا
 میں جب جانوں سہیں اک چوٹ بھی اس ہٹے کی

• امروہہ - ۲ - دسمبر ۱۹۳۷ء

کانگریسی دُولھا اور احرار ملی لہن

ممالک متحدہ آگرہ وادوہہ کی انتخابی آؤنیشوں میں مجلس احرار پرسی سرگرمی سے
کانگریس کا پرہ پیگنڈ اکر تی رہی بعض موقعوں پر اس مجلس کی سرگرمیوں کی نوعیت
بہت ہی صبر آزا ما ہو جاتی تھی۔ اشعار ذیل ایسے ہی ایک موقع پر برسیل
اضطرار زبان سے نکل گئے :-

بادا تھے مسلمان تو بیٹے تھے مجوسی پوتے جو ہیں احرار وہ کہلائے فلوہی
مل جائے جہاں چندہ وہی ہو وطن ان کا ہندی ہیں نہ مصری ہیں چینی ہیں روسی
جو پوند مرے خوں کی مہاجن سے کچی تھی پنجاب کے احرار ستم پیشہ نے چوسی
نہر و جو ہے دُولھا تو دُولہن مجلس احرار ہو پیر بخاری کو مبارک یہ عروسی
حقہ نے بنایا مجھے دوکش میں محقق
اور فلسفہ چھانٹا کئے دیوانی و طوسی

امروہہ - ۳ - دسمبر ۱۹۳۷ء

پردہ استقبال کی چھتی ہوئی روشنی

کوئی دن جاتا ہے پیدا ہوگی اک دُنیا نئی
 خونِ مسلم صرفِ تعمیرِ بہاں ہو جائے گا
 بجلیاں غیرت کی تڑپیں گی فضاے قدس میں
 حق عیاں ہو جائے گا باطل نہاں ہو جائے گا
 ان کو اکب کے عوض ہوں گے نئے انجم طلوع
 اُن دنوں رخسندہ تریہ آسماں ہو جائے گا
 پھر نئے محمود ہوں گے حائِی دینِ متہیں
 بچہ بچہ غیرتِ الپ ارسلان ہو جائے گا
 میرے جیسے ہوں گے پیدا سینکڑوں اہلِ سخن
 نکتہ نکتہ جن کا آزادی کی جاں ہو جائے گا!
 شانِ مزدوری کی دُنیا میں بڑھادی جائے گی
 بے نشان سرمایہ داری کا نشان ہو جائے گا

ڈھائی جائے گی بنایورپ کے استعمار کی
 ایشیا آپ اپنے حق کا پاسباں ہو جائے گا
 ہندوؤں میں اور مسلمانوں میں ہوگی آشتی
 اک جہاں انگشت حیرت دروہاں ہو جائے گا
 نغمہ آزادی کا گونجے گا حرم اور دیر میں
 وہ جو دارالحرب ہے دارالامان ہو جائے گا
 نام پر ترجیح دے کر کام کو ہندوستان
 کامیاب و کامگار و کامران ہو جائے گا
 ہم کو سودا ہے غلامی کا کہ آزادی کی ڈھن
 چند ہی دن میں ہمارا امتحاں ہو جائے گا
 اس بشارت کو نہ سمجھو ایک دل خوش کن قیاس
 جس کو سن کر ہر مسلمان شادماں ہو جائے گا
 سچ ہے میرا حرف اور جس کو اس میں شک ہے آج
 دیکھ لیں ناکل مرا ہم داستان ہو جائے گا

لاہور۔ ۹ دسمبر ۱۹۳۷ء

میں اور میرا خاندان

حمد ہو رب کعبہ کی درو مری زبان کا
 عبدالست کا یہ راگ سن لے مرے رباب سے
 سرور کائنات کی آن میں آئے گا نظر
 اٹھ کے حرم رشتہ جوڑو بیروں کا طلسم توڑ
 لات و سبل کی نسل کو پاؤں کے نیچے روند ڈال
 منزل حق کے رہ روو سر کفن لپیٹ لو
 خاک و بر رسول کے ذریعے جا کے پوچھ لو
 ہے عربی حسب مرا اور عجمی نسب مرا
 جسم سے جس نے استوار رشتہ کیا ہو جان کا
 نغمہ اگر سنا نہ ہو علمہ البیان کا
 جلوہ اگر ہو دیکھنا تجھ کو خدا کی شان کا
 فجر کے وقت جب پڑے کان میں رازِ اذان کا
 فرض یہ پہلے دن ہے کعبہ کے پاسبان کا
 تیغ بکف مجاہد و وقت ہے امتحان کا
 گر ہو ستر غ ڈھونڈنا تم کو مرے مکان کا
 اس سے زیادہ فخر کیا ہو مرے خاندان کا
 جب ہو امین نیل پوش سر لفلک کفن بدوش
 میری زمین شعر میں رنگ ہے آسمان کا

لاہور ۲۰ دسمبر ۱۹۳۷ء

بلند شہر کا انتخابی معرکہ

ممالک متحدہ آگرہ و اودھ میں بلند شہر کی نشست پر کانگریس اور مسلم لیگ کا انتخابی مقابلہ تھا۔ مسلم لیگ کے امیدوار کی حمایت میں مجھے اس نواح کے دورہ کا اتفاق ہوا۔ جب میں کمال پور۔ اکبر پور اور گلاوٹی کے جلسوں میں تقریریں کرنے کے بعد بلند شہر پہنچا تو یہاں بھی ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ یہاں سے مسلم لیگ کے امیدوار کو نوے فی صدی ووٹ ملنے کی توقع تھی۔ مجھ سے پہلے مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی اپنی تقریر میں بتا چکے تھے کہ بلند شہر کو سالار مسیحود غازی نے آباد کیا تھا۔ اس لئے میری تقریر اس مظلوم تمہید سے شروع ہوئی:-

ملت کی آبرو کا نشان ہے بلند شہر ہو اس کے ذرہ ذرہ سے پیدا حیات دہر
کشتی ڈبوئی کفر کی جس نے ہزار بار ہو اس کی بوند بوند اسی دریا کی ایک لہر

خاصیتوں میں اس کی ازل سے تضاد ہے
اپنوں کے حق میں قندہر غیروں کے حق میں نہر

بلند شہر کی مصروفیتوں سے فارغ ہو کر میں اپنے مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں: www.iqbalkalmati.blogspot.com

پہنچا۔ سفر کی کوفت نے ہر تھکا دیا تھا۔ دیر سے حقہ بھی نہ پیا تھا اس لئے
 تنکان اور زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔ میزبان نے جلد جلد چائے تیار کر مانی۔ چائے
 آئی اور ساتھ ہی حقہ بھی آیا۔ یار دیگروں نے فرمائش کی کہ اس پر کچھ اشعار ہو
 جائیں۔ میں نے چائے کا ایک گھونٹ پی کر اور حقہ کا ایک کش لگا کر یوں
 امثال امر کیا :-

زندگانی کے لطف وہی تو ہیں صبح کی چائے - شام کا حقہ
 اُس کو کہتے ہیں سلسبیل کی موج اس کو لکھتے ہیں نور کا بقیہ
 اس کے بعد بعض ارباب ذوق نے یہ بے ٹھہب فرمائش کی کہ اس زمین میں
 احرار کے متعلق بھی کچھ ہو جائے۔ غالباً انہوں نے یہ سمجھا کہ اب اس زمین
 میں کوئی قافیہ نہیں رہا۔ اور مجھے بھی اُسی طرح زچ کر دیا جائے گا جس طرح
 سعدی شیرازی کو ایک قافیہ پیمانی کی محفل میں اس فرمائش سے زک دینے
 کی کوشش کی گئی تھی کہ

غنی دہان من بیا تنگدلی من ببین !

پر تنگ دلی کے قافیہ کی قید کے ساتھ ایک مصرع لگا دیا جائے۔ ارباب سخن
 کو معلوم ہے کہ سعدی کی حاضر جوابی نے یہ کوشش معاً یہ کہہ کر اکارت کر
 دی تھی کہ

بے توھنوز دندہ ام سنگدلی من ببین

اس ادبی نوک جھونک کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے بطور اظہارِ عجز عرض کیا
 کہ معاملہ چائے اور حقہ کا ہے اس میں احرار کو کیا دخل۔ اس پر ایک صاحب
 بولے کہ جب سے مسجد شہید گنج کی تحریک شروع ہوئی ہے احرار نے حقہ
 پینا بالکل چھوڑ دیا ہے کیونکہ ان کے دست سکھ جس طرح مسجد شہید گنج کا
 نام سن کر حواس باختہ ہو جاتے ہیں اُسی طرح حقہ سونگدلی سے نہ پیتے۔

پا ہو جاتے ہیں۔ غالباً اسی وجہ سے چودھری افضل حق نے جو احرار سی ٹولی کے نفس ناطقہ ہیں پچھلے دنوں حقہ کی مخالفت میں ہنگامہ انگیز مضامین لکھے تھے۔ ایک دوسرے صاحب نے فرمایا کہ احرار کے متعلق ایک شعر ضرور ہونا چاہئے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ احرار کی شریعت کے امیر مولانا سید عطاء اللہ بخاری نے امر وہم میں تقریب کرتے ہوئے کہا تھا کہ جو لوگ مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے، دستور ہیں اور سٹور کھانے والے ہیں اوکھا قال۔ پھر میرٹھ میں مولوی حبیب الرحمن لدھیانوی صدر مجلس احرار اس قدر جوش میں آئے کہ دانت پیستے جاتے تھے غصہ میں آکر ہونٹ چباتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ دس ہزار جینا اور شوکت اور ظفر جو اہر لال نہرو کی جوتی کی نوک پر قربان کئے جاسکتے ہیں۔ اس پر میں نے یاروں کی فرمائش پوں پوری کی:-

کیا کہوں آپ سے ہیں کیا احرار
کوئی لٹچا ہے اور کوئی لُفٹ

دھان پور میں ایک اور لطیفہ ہوا۔ ابھی چائے پینے سے فراغت نہ ملی تھی کہ مولانا شوکت علی کی جو اس دورہ میں میرے رفیق طریق تھے پیشاب کی حاجت ہوئی۔ جب وہ ادب خانہ سے مست ہانسی کی طرح جھومتے جھامتے نکلے تو یاران سرپل نے کہا کچھ اس پر بھی۔ میں نے فی البدیہہ یہ قطعہ عرض کیا:-

دھان پور آئے جناب حضرت شوکت علی
ہاتھ رکھے قبضہ شمشیر جو ہر دار پر

اس سے وہ شمشیر مراد ہے جو مولانا شوکت علی کو اپنے بہادر مرحوم رئیس احرار

محمد علی جوہر سے ترکہ میں ملی تھی۔

میں نے پوچھا کانگریس کے حق میں کیا کہتے ہیں آپ
ہنس کے بولے کانگریس کو مارتا ہوں دھار پندر

دھار سے کچھ اور نہ سمجھ لیجئے گا۔ اس سے یہاں تلوار کی دھار مراد ہے۔
اورنگ آباد بلند شہر کی تحصیل کا ایک بارونق قصبہ ہے۔ میں سید عبدالعزیز
صاحب کے دولتکدہ پر ٹھہرا ہوا تھا جو علاقہ کے ممتاز رئیس اور مسلم لیگ کے
پیر جوش حامی ہیں۔ مسلمانوں کا بہت بڑا اجتماع تھا۔ علی گڑھ۔ میرٹھ اور
بلند شہر کے نوجوان بھی آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا ہم آپ کی بدیہ
گوئی کا شہرہ مدت سے سنتے آئے ہیں۔ جب جائیں کہ آپ ایک منٹ
کے اندر اندر کچھ کہہ دیں میں نے اس فرمائش میں پڑنے سے پہلے چانا چاہا مگر وہ
نہ مانے۔ آخر ذرا سے تامل کے بعد میں نے ان کی فرمائش یوں پوری کی۔

رحمت اللہ کی ہے قصبہ اورنگ آباد کیوں نہ توحید کے فرزند یہاں ہوں آزاد
ان کے پیش نظر اسلام کی آزادی ہے رکھے اللہ انہیں تابہ قیامت آباد

مولانا شوکت علی کے ساتھ میں انوپ شہر سے بلند شہر واپس جا رہا تھا۔ مولانا کے
موٹر پر مسلم لیگ کا سبز جھنڈا لہرا رہا تھا۔ رستہ میں سرحد کے کچھ گاندھوی سرخ
پوش اور چند احراری رضا کار نظر آئے جو کانگریس کے امبداد کا پرہیزگار
کمرے کے لئے بلائے گئے تھے۔ مولانا شوکت علی نے کہا کہ اس موقع پر کوئی
شعر ضرور ہونا چاہئے۔ میں نے فارسی کے ایک مشہور شعر میں تھوڑا سا تصرف
کیے برجستہ کہا:-

سرخ پوشے بہ سر راہ نظر می آید در دولت گریہ پوش ہست بزمی آید
اس پر ایک رفیق سفر بولے کہ لیگ کے رضا کاروں کے باب میں کیا ارشاد ہے

میں نے معاً کہا ہے

سبز پوشے بلب بامِ نظری آید نہ بزور و نہ بہ زاری نہ بہ زرمی آید

انتخابی تگ و دو کے سلسلہ میں ایک موقع پر مولانا شوکت علی مولانا
عنایت اللہ فرنگی محلی مولانا جمال سیال فرنگی محلی در چودھری خلیق الزماں
کے ساتھ میں نواب صاحب چھتاری کی کوٹھی پر قیام پذیر تھا۔ چودھری
صاحب کورات بہت دیر تک جاگنا پڑا۔ اس لئے صبح اٹھنے میں دیر ہو گئی
جب چائے پینے کے لئے آئے تو اس شان کے ساتھ کہ دونوں ہاتھوں سے
آنکھیں ملتے جاتے تھے۔ مولانا شوکت علی نے کہا کہ خلیق الزماں پر کوئی پھڑکتا
ہوا شعر ضرور ہو جائے۔ میں نے کہا بہت خوب سنئے :-

بخشی گئی ہر دولت کون و مکان مجھے نہرو انہیں ملا تو خلیق الزماں مجھے

مولانا شوکت علی اس شعر کو سن کر وجد میں آ گئے۔ اور کہنے لگے کہ ایک اور۔

میں نے کہا دوسرا شعر بھی حاضر ہے سنئے اور سر دھنئے :-

دو دو جوانیاں مرے حصہ میں آئی ہیں

بخشا خدا نے دولت و بخت جواں مجھے

بلند شہر - ۲۲ - دسمبر ۱۹۳۷ء

اعزاز اور مسجد شہید گنج

نہرالی وضع کا مومن ہے طبقہٴ احرار
اس آرزو میں کہ نہر کسی طرح خوش ہو
خدا کے گھر کی تباہی میں حصہ دار ہو
اشاہہ پاک کے اُبھر سے شہید گنج کا شور
کہ سر جھبکا ہوا مشرک کے آستان پر ہے
نگاہِ خشم سکندر حیاتِ خاں پر ہے
یہ ظلم اُنہوں نے کیا آپ اپنی جاں پر ہے
کئی دنوں سے ان اشرار کی بُاں پر ہے
لگا ہوا وہی کان آج کل اداں پر ہے
ہمارے قتل کا محضر ہے اُن کے دفتر میں
وہ برق جس نے جلایا ہمارے خرمن کو
گرانی جانے کو اب اُن کے آشیاں پر ہے

لاہور - ۲۳ - دسمبر ۱۹۳۷ء

یوم محمد علی

۴۔ جنوری ۱۹۳۸ء کی شام کو یوم محمد علی کی تقریب پر جمیہ
ہال (اسلامیہ کالج) لاہور میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے زیر اہتمام میری
صدارت میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ حاضرین نے نظم کی فرمائش کی۔ جو
فرمائش سے چند منٹ بعد ان کی نذر کی گئی :-

دلکش فضا وطن کی محمد علی سے کھتی	زنگینی اس چین کی محمد علی سے کھتی
ذوق سلیم جس کے مزے بھولتا نہیں	شیرینی اُس سخن کی محمد علی سے کھتی
ہیں زندہ جس سے عہد کمں کی رقاہیں	ریون اُس انجمن کی محمد علی سے کھتی
اب تک لگی ہوئی جو کروڑوں لوں میں ہے	بے تابی اُس لگن کی محمد علی سے کھتی
توحید کی رس نے بہتوں کو جکڑ لیا	اور تافت اُس سن کی محمد علی سے کھتی
زندوں کو جس نے مطلع الانوار کر دیا	تابانی اُس کرن کی محمد علی سے کھتی
سر پر لپیٹ لیتے ہیں جس کو غزا کے وقت	آرائش اُس کفن کی محمد علی سے کھتی
اغیار کی گرفت سے امیدِ مخلصی	شیخ اور برہمن کی محمد علی سے کھتی

توحید کے اصول کی حرمت کے ساتھ

۴۔ جنوری ۱۹۳۸ء ذلت ہراک وشن کی محمد علی سے کھتی

مہاسبھائی بابی کے سرت کوڑیے

ہر طرف سانپوں کی پھنکار سنی جاتی ہے
 بابیوں سے نکل آئے ہیں ٹاپ "اور" پرتاپ
 راہ رو کو ہے سر رہ سے گزرتا مشکل !
 ان کے حملوں سے نہ بچ سکتے ہیں ہم اور نہ آپ
 حق سے ہے لاگ جو ان کو تو ہے باطل سے لگاؤ
 ان کے نزدیک وہ پُٹن ہے جسے ہم کہتے ہیں پاپ
 سچی باتوں کے چھپانے میں بڑے ماہر ہیں
 جھوٹی باتوں کو بڑے شوق سے دیتے ہیں وہ چھاپ
 کھوپری ان کی ہے اونڈھی یہ نہ ہوگی سیدھی
 جب تک اس کے لئے ہوگا نہ ہمارا کنٹاپ

لاہور۔ ۱۵۔ فروری ۱۹۳۸ء

ایک مسرت افروز تقریب

ملک محمد عبداللہ خلف ملک محمد گھسیٹا مرحوم کی رسم کتنی انی ۱۴ فروری ۱۹۳۸ء کو ہونے والی تھی۔ اس سلسلہ میں ایک رقصہ دعوت مجھے ملک فضل الدین صاحب کی طرف سے موصول ہوا۔ چونکہ میں اُس دن لاہور سے باہر چلا جانے والا تھا اس لئے ذیل کے اشعار کے ساتھ معذرت نامہ بھیج دیا۔

حُسن کا اور عشق کا بندھنے لگا ہے آج حقہ
 ہو رہی ہے سُختہ بُنیاد ان کے رسم و راہ کی
 گلشنِ شاں ہے نو بہار اور ضیافتاں ہیں مہروما
 پالکی میں نو عروس آئی ہے عبداللہ کی
 یاد یاروں کو رہے یہ میمنت مانوس دن
 فروری کی سترہ، تاریخ ہے اس بیاہ کی

لاہور - ۱۴ فروری ۱۹۳۸ء

نوجوانانِ اسلام کو پیام

فدومِ اسلام کے رستہ میں بڑھاتے جاؤ جس قدر سنگِ گراں آئیں مٹاتے جاؤ
 عزتِ ملتِ بیضا کی حفاظت کے لئے دوشِ پر لاکھ بھی سرہموں تو کٹاتے جاؤ
 صلح کے نام سے دھڑکے ہوئے گھر کان پہنچتے تو انہیں جنگ کا پیغام سناتے جاؤ

تم مسلمان ہو کر و پرچمِ توحید بلند
 مشرک اور کفر کی بنیاد کو ڈھاتے جاؤ

لاہور - ۱۶ - فروری ۱۹۳۸ء

میواتیوں کی شان

علاقہ میوات کے مرکز پنہانہ میں ایک بہت بڑا اسلامی جلسہ تھا۔ مجھے اور مولوی منظر الدین مرحوم مدیر الامان دہلی کو اس جلسہ میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ جب یہاں پہنچا تو ایک بہت بڑا طبل جنگ بج رہا تھا اور اس کی آواز پر میوات کی دیہاتی آبادی لٹھ باندھے جلوس میں شریک ہونے کی غرض سے جوق در جوق آ رہی تھی۔ یہ نظارہ بہت ہی سُر کیف تھا۔ جلوس سے فارغ ہو کر جب ہم قیام گاہ پر واپس پہنچے تو احباب کی طرف سے کچھ اشعار کی فرمائش ہوئی جو اس طرح پوری کی گئی :-

کہوں کیا تجھ سے ہدم کیا ہیں پنہانہ کے میواتی
مسماں ہیں لگی لپٹی انہیں رکھنی نہیں آتی
کسی کے منہ پہ سچی بات کہنے سے نہیں ڈرتے
جی بھی تو اُن سے گاندھی جی کی جاتی بھی ہے گھبراتی
نظر آتی ہر وہ رونق مجھے اُن کی جب سینوں پر
کہ بارشس نور صبح اقبلیں کی بھی ہے شرماتی

رسول اللہ کی غرت پہ کٹ مرنا سکھا دیں گے
 کھلیں گے جس دن ان میواتیوں کے جوہر ذاتی
 الہی مرحمت کر استقامت اُن کی ہمت کو
 ہماری شوکت شاہانہ کی جو ہے خبر لاتی
 جواہر لال نہرو کان دل کے کھول کر سن لیں
 کہ مسلم لیگ کے حامی ہیں شہری اور دیہاتی
 یہی دو چار دن ٹرائیں گے پھر آپ چپ ہو گئے
 کہ یہ سب کانگرس کے مولوی مینڈک ہیں برساتی

پنہانہ (میوات)

۵۔ مارچ ۱۹۳۸ء



گوندل

مارچ ۱۹۳۸ء میں علاقہ چھچھہ کا دورہ کرتے ہوئے مجھے گوندل (ضلع کامل پور) جانے کا اتفاق ہوا۔ یہاں کامل پور اور علاقہ چھچھہ کے دوسرے مقامات کے ذوق شعر رکھنے والے بعض احباب جمع تھے۔ ان کی فرمائش پر اشعار ذیل ارتجالاً موزوں ہو گئے:-

ہو تقاضا مجھ سے کامل پور کے احباب کا کھینچ کر رکھ دوں میں ہنستا شہر میں بچا کا
میر آگے ہیں اٹک کی موج ہائے رنگ رنگ نشہِ حزن کی روانی میں شرابِ ناب کا
غرقِ جن میں ہو رہے ہیں چھچھہ کے سب جنتِ بسند ادلیں حق کشی باطل پہ تھا گرداب کا
خیلِ باطل کو پرستارِ ان حق نے نہی شکست پھر گیا آنکھوں میں نقشہ غزوہِ احزاب کا

رنگِ چمنے کو ہی پھر اہل نظر کی آنکھ میں

مسجدِ لاہور کے منبر کا اور محراب کا

گوندل - ۱۸ - مارچ ۱۹۳۸ء

مولوی فضل الحق صدرِ اعظم بنگال

۱۹-۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو محمد علی پارک کلکتہ میں مسلمانوں کا ایک جلسہ عام بھارت
مولانا شوکت علی منعقد ہوا۔ ضروریاتِ حاضرہ کے لحاظ سے ایک نئی نظم کی نمائش
صدر کی طرف سے ہوئی جسے چند منٹ میں پور کیا گیا :-

میں فضل الحق کے حق میں اس سے بڑھ کر اور کیا کہوں
وزارت اُس کی سارے ہند کو اکٹن بنا دے گی
بصیرتِ حق کو حاصل ہے نظر آجائے گا اُن کو
بنائی خوب ہی گت حافظِ ابراہیم کی ہم نے
وہ سُرخِ عارضِ ملت پہ چہرہ رہ کے جھلکے گی
سکندر اور چینا قوم کی آنکھوں کے تارے ہیں
کہ اُس کے دیکھ لینے ہی سے ایمان تازہ ہوتا ہے
پریشاں کانگرس کا کس طرح شیرازہ ہوتا ہے
کہ کلکتہ میں بند اب کفر کا دروازہ ہوتا ہے
ہر اک عدا ر ملت کا یہی خمیازہ ہوتا ہے
شہیدوں کے جمال افزا لہو کا غارہ ہوتا ہے
اسی سے شوکتِ اسلام کا اندازہ ہوتا ہے

شہیدِ شہروردی کو بنایا سارباں ہم نے
رفاں کس شان سے اسلام کا جوازہ ہوتا ہے

آہ! اقبال

گھر گھر یہی چرچے ہیں کہ اقبال کا مرنے کا
 کلکتہ دکان میں بھی ہے صفحہ نام
 اس غم میں سبہ پوش ہیں بخدا و سمرنا
 سو سال کے سوئے ہوئے جذبوں کو ابھرنا
 ہر روز دیا اس نے مسلمان کو یہی درس
 ہرگز نہ کسی سے بجز اللہ کے ڈرنا

مذمت کو نئی زندگی اقبال نے بخشی
 ممکن نہیں اس بات کا اقرار نہ کرنا

کلکتہ

۲۱۔ اپریل ۱۹۳۸ء

شانِ مصطفیٰ

دیکھے کہ جبریل ہے وہاں مصطفیٰ
 لطفِ خدائے پاک کی تصویر کھینچ گئی
 پھیلا ہوا ہے اسود و احمر کے واسطے
 اسلام کا زمانہ میں سبک بٹھا دیا
 رکھے وہ یادِ خسرو پر ویز کا مال
 میرے ہزار دل ہوں تصدقِ حضور
 رشتہ مرا خدا کی خدائی سے ٹوٹ جائے
 چھوٹے مگر نہ ہاتھ سے دامانِ مصطفیٰ
 میری ہزار جان ہو قربانِ مصطفیٰ
 دیکھے کہ جبریل ہے وہاں مصطفیٰ
 پھر نے لگے جب آنکھ میں احسانِ مصطفیٰ
 صحنِ عرب میں تابہ عجم خوانِ مصطفیٰ
 اپنی مثال آپ ہیں یارانِ مصطفیٰ
 پہنچا ہو جس کے ہاتھ میں فرمانِ مصطفیٰ
 میری ہزار جان ہو قربانِ مصطفیٰ
 چھوٹے مگر نہ ہاتھ سے دامانِ مصطفیٰ

لائے نہ کیوں یہ نعمہ ملائک کو و جد میں

گاتا ہے جس کو بیلِ بستانِ مصطفیٰ

امترسری انتخابی جنگ

اسلام کا ٹکٹ

ہے لیگ کا اُدھر اُدھر اسلام کا ٹکٹ وہ نام کا ٹکٹ ہی یہ ہے کام کا ٹکٹ
 احرا نہ ہوں کہ کانگریسی ہوں سب ایک ہیں دونوں کے دونوں لے کے چلے رام کا ٹکٹ
 احرا رکٹ کے نور سے ظلمت میں جا ملے وہ صبح کا ٹکٹ تھا یہ ہے شام کا ٹکٹ
 الہام کا ٹکٹ ہمیں کعبہ سے مل گیا! وہ لائے سویناٹ سے اوہام کا ٹکٹ
 میرا ٹکٹ مجھے مرے اللہ نے دیا اُن کو اگر ملا بھی تو اصد نام کا ٹکٹ
 آزادی وطن انہیں ہوگی کہاں نصیب جن کو ملا ہو گردشِ آیام کا ٹکٹ

اسلام کے ٹکٹ کا اڑا ہیں گے جو مذاق
 دوزخ کو لے کے جائیں گے بے دم کا ٹکٹ

لے یہاں مسلم لیگ سے مراد پنجاب مسلم پارلیمنٹری بورڈ ہے جس نے مسلم لیگ سے بغاوت کر کے
 مسلم لیگ کے نمائندہ کو لیگ کا ٹکٹ نہیں دیا اور میں نے مقاصد انتخاب کے لئے پروپگنڈا کے طور پر
 اُسے اسلام کا ٹکٹ دے دیا جس نے اُسے کامیاب کر کر چھوڑا۔

اٹلیسہ اور لندن نیولن جیمبرلین کی حکمت عملی کا انجام

اٹلی سہی خبر تار پر آئی ہے کٹاک سے
جس بلیم کے دھماکے سے یہ آفت ہوئی برپا
ہندو کی سیاست سے ہوا لرزہ براندام
برطانیہ کا شیراب اس حال کو پہنچا
کچھ روز میں آنے کو ہے اسلام کی باری
جو خرمین باطل ہے وہ جل جائے گا اک دن
کھینچا مرے خامہ نے مرقع میں یہ خاکہ
برطانیہ کے بنگلہ کی چھت اڑ گئی بھک سے
لم اُس کی کوئی پوچھ لے سر جان ہبک سے
انگریز جو کانپا نہیں توپوں کی شدک سے
جنگل میں بپھرتا ہے تو بکری کی کماک سے
سنتا ہوں ملک کی یہ نڈا اوج فلک سے
توجید کے آٹھتے ہوئے شعلوں کی لپک سے
کرنا ہے دُورست اس کو مجھے نوک پک سے

بھیجا ہے کٹاک سے مجھے جو نامہ صنم نے
دُوں گا میں جواب اُس کا لب و لہجہ سے

نالہ جاں سوز

وہ جو کل ارجمند تھے ہو گئے آج کیوں ذلیل
شرعِ نبی کی آبرو دیکھتے دیکھتے گئی
مولویوں کو دیکھ لے مالویوں کی بزم میں
خونِ عرب سے لالہ رنگ ہو گئی قدس کی ریش
گنبدِ کانگرس سے آج گونج رہی ہی یہ صدا
اب بھی نہاں ہیں لاکھ حشر آنکھ کے ایک گوشہ میں
بیکدہ کے طواف کا مجھ کو بھی اشتیاق ہے
خام ہو مگر بھرا ہوا بادۂ خانہ ساز سے

رات یہ کانپور میں عشق نے حُسن سے کہا

غزنویانِ مہمئی کیوں ہیں خفا یا ز سے

۲۲ مئی ۱۹۳۸ء

بزمِ احباب

جون ۱۹۳۸ء میں مجھے سفرِ ممبئی کا اتفاق ہوا۔ زمانہ قیام ممبئی میں متعدد زندہ دل نوجوانوں سے ملنے کی مسرت حاصل ہوئی۔ ان میں ایک صاحبِ دینِ نوجوان محمد امین آزاد بھی تھے جن کی فرمائش پر نظمِ ذیل سپردِ قلم کی گئی :-

کل ایک بزم میں مجمع تھا نوجوانوں کا مخاطب اُن سے ہوا اس طرح ابیں آزاد
 نہ جب تک اس میں ہے گا اُستِ سماں کا کبھی بھی ہونہ سکے گی یہ سرزمین آزاد
 ہندو رہ نہیں سکتے بدیشیوں کے غلام اگر ہو قشقہ سے اس قوم کی جبین آزاد
 چھپے ہوئے ہیں ہزاروں بت آستینوں میں خدا کرے کہ بتوں سے ہو آستین آزاد
 ابوالکلام کو دنیا کی فکر لے ڈوبی مجھے یہ غم کہ کسی ڈھنگ سے ہو دیں آزاد

کفنِ لپیٹ کے سر سے جو حق پرست اٹھیں

تو یک بیک ہوں فلسطین و ہندو چین آزاد

ممبئی ۲۰ جون ۱۹۳۸ء

مالیگاؤں

مالیگاؤں صوبہ بمبئی میں ایک اسلامی مرکز ہے۔ مسلمانوں کی آبادی اس تقصیہ میں بائیس ہزار اور ہندوؤں کی دس ہزار ہے۔ اردو تعلیم کا گھر گھر چاہے۔ بلدیہ اپنی آمدنی کا نصف حصہ تعلیم پر خرچ کرتی ہے۔ علاوہ اُن مدارس و مکاتب کے جو لڑکوں کی تعلیم کے لئے مخصوص ہیں لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کے لئے ایک نہایت شاندار اور بارونق مدرسہ موجود ہے۔ دینی تعلیم کا بھی اچھا انتظام ہے۔ اس علاقہ کے ایم۔ ایل۔ اے خاں صاحب عبدالرحیم ہیں جو مسلم لیگ کے ممتاز رکن اور اسلامی معاملات سے گہری دل چسپی رکھتے ہیں۔ شعر و شاعری سے بھی خاصہ ذوق ہے۔ مسلمانان مالیگاؤں کی دعوت پر جب میں وہاں گیا تو ایک ادبی محفل میں مقامی شعرا نے اچھی اچھی نظمیں پڑھیں اور مجھ سے بھی اپنا کلام سنانے کی فرمائش کی۔

میں نے اسی وقت اشعار ذیل کہہ کر اُن کی فرمائش کے

رات تھی تاروں بھری خاموش تھی کائنات
 جا ملے تھا ماسوا سے کٹ کے ہیں اللہ سے
 باندھ کر ستون کل آیا ہوں اپنے گھر سے ہیں
 مسلم بیکس اُدھر اور ہمنہ دو انگریز اُدھر
 جانتا ہے پہاواں اسلام کا رتبہ تیج
 شیر فضل الحق ہے اور ہر بھیگی تلی کانگریس
 مسجدوں سے اُنھ کے غیرت عالم اسلام کی
 اے مسلمان دیکھتا کیا ہو کفن سر سے لپیٹ
 میں بھی تھا بیٹھا ہوا تاروں کی ٹھنڈی پاؤں میں
 تاج آنا دی تھا سر پر سلطنت تھی پاؤں میں
 میری گنتی مشروں میں ہو نہ مولاناؤں میں
 بننے والی ہے غلامی ان کی دو آقاؤں میں
 ہم کو گاندھی جی نہیں لاسکتے اپنے داؤں میں
 آپسی ہو بحث اُس کی گونج اور اس کی میاؤں میں
 خطرہ کی گھنٹی بجانے آئی ہے گرجاؤں میں
 اور نکال اپنی جگہ گنتی کے نرم آساؤں میں

شہر کی تہذیب لگا ہو گاؤں کی تہذیب الگ

حل کیا یہ نکتہ آکر میں نے مالیکاؤں میں!

مالیکاؤں ۲۱- جون ۱۹۳۸ء



منہاڑ

مبئی سے مالنگاؤں اور اٹوٹا اور منہاڑ ہوتے ہوئے جب میں یہ قصد مراجعت پنجاب ریل پر سوار ہوا۔ تو منہاڑ کی طرف منہ کر کے اُسے ان الفاظ میں مخاطب کیا۔

کہہ رہا ہے یہ ہر اک ذرّہ خاک منہاڑ
میں نے مانا کہ بلاؤں نے ہے گھیرا تجھ کو
دیکھتے دیکھتے افغان کی فطرت بدلی
صدقہ رحمت شاہ دوسرا میں لیکن
حیدر آباد دکن سے درہ خیبر تک
اے کہ مرحب فگنی تیری روایات میں ہے
اے کہ توحید کا کس بل ہے تے بازو میں
دیکھ کر برہمن و شیخ کو میں کیوں نہ کہوں
ایک یہ ہے کہ لیا اپنی بھی صورت کو بگاڑ
ایک وہ ہے جسے تصویر بنا آتی ہے

جھکڑ اور آندھی

بھارت میں بلائیں دوہی تو ہیں اک سا در کر اک گاندھی ہے
 اک ٹھبوٹ کا چلنا جھکڑ ہے اک مکر کی اٹھتی آندھی ہے
 منہ پر ہے صدا آزادی کی اور دل میں ہے شوق غلامی کا
 اکٹھری تھی ہوا انگریزوں کی ان دونوں نے مل کر باندھی ہے

بمبئی

۳ جولائی ۱۹۳۸ء

ہندو دوطھا اور مسلمان دُلہن

مسلمان ہونے کے شکر لال کے بیٹے کے گھر آئی دیا ایشر کی ہے عباس طیب جی کی پوتی پر
 مسلمان کا پٹا تہ نہ کچھ بھی اُس کے کام آیا نچھا ور ہو گئی شرع بنی زرتار دھوتی پر
 حسین احمد سے کہتے ہیں خنزیر کا دینہ کے
 کہ لہو آپ بھی کیا ہو گئے سنگم کے موتی پر

۸ جولائی ۱۹۳۸ء



کھاریاں

کھاریاں (ضلع گجرات پنجاب) میں ایک شاندار اسلامی جلسہ منعقد ہوا۔ مجھے خاص طور پر دعوت شرکت دی گئی تھی۔ میری قیام گاہ پرمسٹر محمد شریف چشتی ایم۔ اے دعلیگ شیخ حبیب اللہ گجراتی، حکیم محمد عبداللہ نصر پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ حکیم عنایت اللہ نسیم حکیم ملک محمد امین اور بعض دوسرے ارباب ذوق جمع تھے۔ سب کا اصرار ہوا کہ کھاریاں کے قافیہ پر ایک نظم ہونی چاہئے۔ محمد شریف قلم دوات کا غزلے کر بیٹھ گئے۔ میں لکھاتا گیا اور وہ یہ نظم لکھتے گئے :-

ہند میں ملت کو پیش آتی ہیں دشوا دیاں	باعث اُن کا ہیں خود اپنی ہی غلط کرداریاں
جائے باطل پرستوں سے پرستار ان حق	پیشوائی کو نکل آئیں نہ کیوں پھر خواریاں
طوق استعمار مغرب خود کیا زیب گلو	اور گواہ ۳۱ برس ہرگز اک سحار اہلاریاں

جنس ایماں کو ٹریوں کے بھاؤ کاشی میں بکی
 اے کہ دیں کی سادگی کا کرچ کا نظارہ تو
 شیخ مسجد سے چلا چھکڑے میں ساں لاو کر
 گو بختے تھے جن کچھاروں میں کھی جنگل کے شیر
 ہو رہی ہے کانگریس کی ساز باز انگریز سے
 لاسکیں گی تباہی کے قدرت کی تعزیروں کی تاب
 خود فروشی آگئی جاتی رہیں خود داریاں
 کھول آنکھ اور دیکھتا چل کفر کی عیاریاں
 برہمن متدرسے نکالے کے برقی لاریاں
 گیدڑاں میں مارتے ہیں آج کل قلعاریاں
 کیا یہی آزاد دہلی کا مل کی ہیں طیاریاں
 اے تو اناؤ تمہاری ناتواں آزادیاں
 گر مسلمان ہے تو گردن حق کے رستہ میں کٹا
 کاش گوش ہوش سے سن لے یہ نکتہ کھاریاں

کھاریاں
 ۴۔ جولائی ۱۹۳۸ء

لالہ خوشحال چند خورسند میرؔ ملاپؔ

(۱)

جب کہ مقصد ہو گونا گونا گے بچھڑوں کا ملاپ دیں کے بچھڑے ہوں کو کب مل سکتے ہیں آپ
 جو جن افواہوں سے دوہسا یہ قوموں میں فساد بے تکلف آپ نہیں اخبار میں دیتے ہیں چھاپ
 ہیں کھوٹا آپ جس کے ہر وہ اک کاغذ کی ناؤ آپ لے دیں گے جس کو بھر بھارت بھر کے پاپ

(۲)

گالی کبھی ہم کو دیتے ہیں پھبتی کبھی ہم پر کہتے ہیں
 لاہور کی بزم صحافت میں اس وضع کے کچھ نقال بھی ہیں
 ہر گالی پہ پیسہ ملت ہے ہر پھبتی پہ باچھیں کھلتی ہیں
 یہ مشغلہ ہے اُن کا ہنر خورسند بھی ہیں خوشحالؔ بھی ہیں

(۳)

بہادر پور میں جا کر دکھا آئے ہمیں تہذیب کا شہ کا تماشا
 پلائی گر مسلمان نے بھی اک انٹ خطا ہو گا ہما شہ جی کا تماشا

(۴)

مسلمانوں کو ضد ہے لالہ جی کو روزِ بادل سے کبھی اُلجھے وہ جینا سے کبھی برے سکندر پر
ہیں اس ضد کی رو پہلی مصلحت کی داود تیا ہو کہ روٹی کا کما کھانا بھی لازم ہے مجھ سندر پر

(۵)

برہمن کھا نہیں سکتا ہاوا پور کے لڈو وہ جا کر کھائے گا کاشی میں موتی چور کے لڈو
اے اسلام سے نسبت اے اصفنا سے نسبت یہ ہیں نزدیک کے لڈو تو وہ ہیں دور کے لڈو

(۶)

لاہور آ کے دیکھ لو خوشحال چند کو کرنی ہو گرتھیں کسی چکنے گھڑے کی سیر
گھر بیٹھ کر ہی جب وہ خبر گھڑ لیا کریں کیا فائدہ کہ لالہ کریں کانگڑے کی سیر

(۷)

بھارت کے دیر ہو نہیں سکتے وفا پرست جب تک انہیں خدا نہ کرے گا خدا پرست
جتنے وطن پرست ہیں ہندوستان میں دیکھا جو غور سے تو ہیں سب مدعا پرست

اے رب کعبہ تیری پرستش یہاں کہاں
کوئی مہل پرست ہے کوئی صفا پرست

لاہور - ۶ جولائی ۱۹۳۸ء

انبالہ

انبالہ میں پانی کی اس درجہ کمی ہے کہ گرمیوں میں اس پر کربلا کا گمان ہونے لگتا ہے۔ یہیں مسلمانانِ انبالہ کی محبت بھری دعوت پر ۱۹ جولائی ۱۹۳۸ء میں انبالہ پنچائیشن سے میوٹر پر سوار ہو کر ایک عظیم الشان جلوس کے ساتھ جب آہستہ آہستہ روانہ ہوئے تو دھوپ کی تیزی ناقابلِ برداشت تھی اور اہل جلوس العطش العطش پکار رہے تھے۔ ہتھمیں جلوس نے اگرچہ جابجا پانی اور شربت کی سیلیں لگا رکھی تھیں لیکن اتنے بڑے جلوس کی پیاس بجھانے کے لئے زیادہ پانی کی ضرورت تھی جس کی فراہمی کو بلدیہ کی بے پردائی اور خستہ منع آئی۔ لطف بالائے لطف یہ کہ میوٹر کے ریڈیوٹر کا پانی گرم ہوتے ہوتے اُبلنے لگ گیا۔ اسے ٹھنڈا کرنے کے لئے آبِ سرد کی ضرورت تھی مگر آبِ سرد کہاں سے آتا۔ ایک زندہ دل مسلمان نے کہا کہ پانی نہیں ہے تو سکنجین ہی سے میوٹر کی پیاس بجھائیے۔ اس شاعرانہ فقرے نے طبیعت کے لئے اشعار ذیل کی موزونیت کا سامان کر دیا :-

(۱)

انبالہ آ کے دیکھ لو شانِ موحیدین
 غیر از خدا کسی سے مدد مانگتے نہیں
 پہنچا ہے حق سے عین تک اس سلسلہ کا نقیب
 بل کر پکارتے ہیں کہ ایاک نستعین !
 انبالہ کی ثنا میں ہے موثر بھی ترزاں
 پانی جو ٹھٹھک گیا تو اُنڈیلا کنبیس !
 کیوں تنگ ہو رہی ہے مسلمان غریب پر
 ان وسعتوں کے ساتھ خدا یا تری زمین
 نہرو کو جا کے کوئی یہ میرا پیام دے
 دُنیا بڑی ہے اس سے بھی لیکن بُرا ہی دین

(۲)

جس سے رونق بڑھ گئی پنجاب کی انبالہ
 آج کرنی ہے مجھے وطنِ ستانوں کی سیر
 بیچ میں ہو چاند اور گرہ اس ندی ہالہ ہے
 اک طرف پنجاب ہے اور اک طرف بنگالہ ہے
 کیوں نہ دیکھجے موسیٰ عمراں کے نسبت لیگ کو
 جان بل گمر سامری اور کانگرس گوالہ ہے
 جن کو آنکھیں دی گئی ہیں دیکھ لیں ایک دن
 مثبت خس ہے کفر اور دیں شعلہ جوالہ ہے
 شیخ ہے ہندوستان میں پانچل مانند سرو
 اور برہمن اس گھٹاں کا لکتا لالہ ہے

انبالہ - ۱۲ جولائی ۱۹۳۸ء

ہزارہ میں مسلم لیگ کی انتخابی فتح

جب جیت لیگ کی ہوئی اور کانگریس کی ہار
 گاندھی بھی روہنے ٹھہری کیونکہ ہائے ٹائے
 جتنی بھی دھوئیاں تھیں وہ سبیلی ہو گئیں
 شوکت علی کے جاتے ہی آیا اک انقلاب
 میدان میں جم سکا نہ قدم سرخ پوش کا
 اسلام نے ہزارہ میں اعلان کر دیا
 روتی تھی سرکپڑے گورنمنٹ خان کی
 سرحد میں ناک کٹ گئی ہندوستان کی
 کیا بات ہے پھٹے ہوئے تہم کی شان کی
 زنگت معاً بدلنے لگی آسمان کی
 جس وقت سر پر آئی گھڑی امتحان کی
 فطرت کبھی بدل نہیں سکتی پٹھان کی

اُردو کو میں نے زندہ جاوید کو بچا

ہندوستان میں دھوم ہے میری زبان کی

کرم آباد - ۱۴ جولائی ۱۹۳۸ء

قانون وقت کا رنگ

ہیں لالہ جو کالے تو ہے قانون بھی کالا

سودوروں کی لغت تھی مسلط ہم پر
آخر اللہ کے احساں نے اسے مالا ہے
سودو خواروں کے ستم اور جفا کی روداد
پوچھ لو ان سے پڑا ان سے جنہیں پالا ہے
سرکندر کی حکومت پہ خدا کی رحمت
جس نے اس مظلمہ کا خاتمہ کر ڈالا ہے
جن تدابیر سے ہوتا تھا کسانوں کا بھلا
اُس نے قانون کے سانچے میں انہیں ڈھالا ہے
سودو خواروں نے ہر اک شہر میں کی ہے ہڑتال
سارے بنیوں کی دکانوں میں پڑا تالا ہے
غم ہے اس کا کہ ہوا کس لئے ہنگامہ وہو
آج تاک جس نے ہر اک لالہ کا گھر پالا ہے
غم ہے اس کا کہ زمیندار ہے کیوں خوشحال
بول انصاف کا پنجاب میں کیوں بالا ہے
سُنے لالاؤں کے نالے، تو سکندر نے کہا
جو کسی ڈھب سے نہ سرکا یہی پر نالہ ہے
گھر ہما جن نے اُچاڑا تھا زمینداروں کا
اب خود اُس کا بھی نکل جانے کو دیوالہ ہے

جب ہیں خود لالہ بھی کالے تو شکایت کیسے

رنگ پنجاب کے قانون

۲۰۰۷ء

میر غلام بھیاک نیرنگ سے دو دو باتیں

جا کے صبا یہ عرض کر میر غلام بھیاک سے
کہہ رہی ہے پکار کر دین متیں کی تمکنت
حصہ میں جن کی آئی ہوں مطلبی روایتیں
نعرہ شہید گنج کا اٹھ کے بلند کیجئے
فخر ہو جن کو فقر پر کیا انہیں کام بھیاک سے
آپ کی خانہ زاد ہے ایک جاں کی سلطنت
گردش روزگار سے کیوں ہوں انہیں شکایتیں
دین میں رخنہ پڑ گیا رخنہ کو بند کیجئے

مہر سے کفن لپیٹ کر آئیے رزم گاہ میں
سرو رکائشات کے کو کبہ کی پناہ میں

۲۳ جولائی ۱۹۳۸ء

لدھیانہ

سُننتا ہوں مرکزِ علما لدھیانہ ہے
لیکن یہ کیا کہ نعمتِ توحید کی بجائے
گر بامِ خانہ ہے تو کلسِ سومات کا
ہیں سیمِ دزر سے مصلحتیں اُن کی ہم کنار
صورت تو مومنانہ ہے بیشک حضور کی
بڑھنے لگی ہے اب جو مسلمان سے رسمِ وراہ
کیوں آستانِ غیر پر اس کو جھکاؤں ہیں
اے برقی کیا مجھے تری چشمکِ نی سے خوف
جس کی گلی گلی میں انہیں کافسانہ ہے
اُن کی زباں پہ برہمنوں کا ترانہ ہے
اور ہر دوار اُن کے لئے صحنِ خانہ ہے
جن کا کفیل گاندھوپوں کا خزانہ ہے
سیرت کا گوشہ گوشہ مگر ہندوانہ ہے
شدھی کا ہونہ ہو یہ نیا شاخسانہ ہے
یارب یہ سر ہے اور تر آستانہ ہے
برتر ز شلخِ سدہ مرا آشیانہ ہے

جب ہم محمدِ عربی کے غلام ہیں
کیا غم اگر خلافت ہمارے زمانہ ہے

صندل ہال شملہ

صندل ہال شملہ میں مقامی انجمن اسلامیہ کی طرف سے ایک تعلیمی جلسہ ہوا۔ اکابر و اعیان شملہ مدعو تھے۔ مسٹر جینا بھی بلائے گئے تھے۔ اُن کی تقریر کے بعد میری تقریر ہوئی جس کی تمہید ذیل کے برجستہ اشعار تھے :-

دیباچہ درس صندل ہال میں جینا یاروں کو تمہیں مرنا نہ آئے گا تو جینا بھی نہ آئے گا
مسلمانوں مسلمان نام ہی کے ہو تو سن رکھو تمہارے کام مکہ اور مدینہ بھی نہ آئے گا
سمندر کو نہ چیرو گے خدا کا نام اگر لے کر
یقین مانو کہ ساحل تک فینہ بھی نہ آئے گا

شملہ
اگست ۱۹۳۸ء

سرچھو ٹورام کا ترانہ

ہو گئی جاٹ اور نیے میں جھڑپ قصہ سنئے اس کا چھو ٹورام سے
 ہل چلاتا ہے وہ لیتا ہے یہ سود کام دونوں کو ہے اپنے کام سے
 میں ہوں جاٹ اس واسطے نیے مجھے دے رہے ہیں نسبتیں اسلام سے
 سود کی لعنت سے میں بیزار ہوں ساتھ ہی اس قوم خوں آشام سے
 جاٹ ہوں بیشک مگر ہندو تہ ہوں
 ضد ہے پھر کہیں ان کو میر نام سے

۵ ستمبر ۱۹۳۸ء

سکندری

جناں کی جو رہے کیا افاق کی پری کیا ہو
بتان ہند سے سیکھیں کہ دلبری کیا ہے
اگرچہ کھیر بھی اور پیت بھی ہیں آئینہ ساز
بتائے کون انہیں جا کر سکندری کیا ہے
یہ نکتہ زادہ توحید ہی کرے گا حل
کلاہ داری و آئین سروری کیا ہے
قبا ہو خرقہ کے نیچے تو ان کو ہو معلوم
کہ پار سائی ہے کیا اور قلندری کیا ہے
ہما بسھائیوں سے کہہ رہے تھے گاندھی جی
منافقت نہیں جس میں لیڈری کیا ہے
ہولاگ بیگ سے لیکن ہو کانگریس سے لگاؤ
بتاؤ تو بجز اس کے گورنری کیا ہے
کسی بہانہ سے اگر شیخ و برہمن مل جائیں
تو مغربی صنموں کی فزونگری کیا ہے

سخنوری میں نظیری نہیں ہے میری نظیر

مرے ہفت ابلہ میں آج انوری کیا ہے

۵ ستمبر ۱۹۳۸ء

سندیلہ

مسلمانانِ سندیلہ ضلع ہر دوئی کی محبت بھری دعوت مجھے کشاں کشاں سندیلہ لے گئی۔ جہاں سید اعجاز رسول صاحب تعلقدار سندیلہ نے مسلم لیگ کے اغراض اور مقاصد کے نشر کے لئے ایک شاندار سیاسی اور صنعتی کانفرنس کا اہتمام وسیع پیمانہ پر کیا تھا۔ نظم ذیل میرے سفر سندیلہ کی یادگار ہے۔

شکایت یہ مجھ کو تھی دو در فلک سے کہ اٹا مرا مفلسی میں ہے گیدا
سنا مجھ مسلمان سے جب یہ شکوہ تو غصہ میں آکر پکارا سندیلہ
گیا بھول تو کب سے اپنے خدا کو ترا فرض تھا فاتحہ و کیلا
اُسی رند سے تیری یہ گت بنی ہے ہوا پیچ جبر کے شریعت کا ڈھیلہ
نبی کی طرح اٹھ اور اللہ سے مل بر فرقتم اللیل الاقلیلا
حریفوں کی کثرت سے کیوں ڈر رہا ہو ترے پیہ ہن کا ہو جب رنگ نیلا
سنا تا ہوں کعب کے شیدا یوں کو

سندیلہ میں آکر یہ نغمہ رسیدا

ہردوئی

۱۶۔ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو مقامی مسلمانوں کی دعوت پر میں ہردوئی گیا۔ اس تقریب پر میرا نا آزاد صدائی نے ایک پر تکلف عصریہ کا سامان کیا جس میں ہردوئی کے اعیان ہاکا بہ شریک تھے ہیں جہاں جانا ہوں اشعار کی فرمائش میرے ساتھ ساتھ جاتی ہے یہاں بھی سخن سنج حضرات کی طرف سے کسی برجستہ نظم کا تقاضا ہوا۔ اشعار ذیل میں تقاضے کا جواب تھے۔

ہیں قائم جس عقیدے پر مسلمانان ہردوئی	ہے خوشنودی خدا کی اور پیغمبر کی رضا جوئی
پڑھی جب کان میں اسلام کے تقاریر کی	تو سر پر اپنے دینوں کا تھک کر کانگریس روئی
جنہوں نے چھوڑ کر انہوں کو رشتہ غیر سے جوڑا	سنا ہے ان کو یہ پیغامِ مسلم لیگ کا کوئی
سوادِ اعظم ملت سے کٹ کر تم نے کیا پایا	بجز اس کے کہ توقیر اپنی اپنے ہاتھ سے کھینی

میں تھا مجبور ان اشعار بجاں پر تو کے کہنے پر

کہ تھی بد نظر آزاد صدائی کی دل جوئی

ہردوئی ریپ پی ۱۶۱۔ اکتوبر ۱۹۳۸ء

مردان

مسلمانانِ مردانِ رعدیہ سرحد کی دعوت پر نہیں مردانِ مسلم لیگ کانفرنس میں ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو شریک ہوا۔ اس کانفرنس کی کامیابی کا سہرا یہاں کے رئیس اعظم خان فتح محمد خاں کے سر رہا جن کی فرمائش پر یہ تنظیم سپر کاغذ کی گئی۔

رحمتِ ربِ کعبہ کا منظر گر نظر آتا ہے مردان
 قوم جو مردہ ہو ہی چلی تھی اس کے جسم میں لی جان
 دل کے کانوں کو کھول کے سن لیں یہ سرحد افغان
 حُریت اپنے فضل سے یا رب نے کیا ہو گرا ایمان
 فتحِ ممبئی کے ہو گئے ضامن جب اسلام کے پانچ ارکان
 ہندو طولِ عرض میں ہم نے آج کیا ہو اعلان
 ایک ہی اس کا باعث ہے اور وہ فتح محمد خان
 بھول نہیں سکتے کبھی ہم اس دجاہد کے احسان
 خان کی گنگا جہنی و نارا چند ہیٹن کی ہر وہمان
 بخش نہیں توفیقِ عمل بھی تاکہ ہو مشکل آسان
 چچم نضر کیوں اٹھائیں جان زانِ وزیرستان
 ملک میں منکح کو ڈپٹی لپٹا لے ہی لاہے قرآن

ہم میں باندھ چکے ہیں اپنے خدا یہ پیماں
 سے جو قائم سارے جہاں میں صلح و سلام اور امن و امان

مردان - ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۸ء

امترس کی انتخابی آویزش

حلقہ امترس کی انتخابی کشمکش میں تین امیدواروں کا مقابلہ تھا۔ ڈاکٹر سید الدین کچلو
کانگریس کی طرف سے، چودھری فضل حق احرار کی طرف سے اور شیخ محمد صادق بیرسٹریگ کی
طرف سے مجلس انتخابت کے رکن سید مصطفیٰ شاہ گیا۔ بی کو لیگ کی حمایت کے لئے
ایک نظم چاہئے تھی۔ یہ نظم ان کے اسرار کا حاصل ہے۔

گھیرا ہے مفلسی نے مسماں غریب کو اور ہندوؤں میں جوہر وہ چاندی کی پوٹے
نام خدا ہے پاک پہ دیتا ہے دودھ کون ہے نوٹ جس کی جیب میں حق دار دودھ
احرار اس طرف ہیں تو ہے کانگریس اور ہر بنگل ہے معرکہ کا بہا بر کی چوٹے
ان کو چھپانے کے لئے صادق آگیا اسلام کا کسے ہوئے لت لنگوٹے
احرار اور کانگریسی کھائیں گے شکست
کیونکر ہو ان کی جیت کہ بیت میں کھوٹے

امرت سر۔ ۱۹۳۸ء

مسجد فچیوری

اگر مندر سے نزدیکی ہے اور مسجد سے دُوری ہو
 وہ کاش اس نکتہ کی تہ کو پہنچ جائیں کہ دہلی میں
 وطن کے بہت کے ان شیدائیوں کو کون سمجھائے
 جنہیں تھا ادا عاقل تاکہ مساجد کی حفاظت کا
 مدینہ چھوڑ کر وہ رشتہ کیوں جوڑیں نہ وردھا
 مسلمانوں سے انصاف اس نہ مانے میں کہ ہوگا
 پلایا کانگریس نے ہو جنہیں دینار کا شربت
 تو اس کی لم بہا سے ہادیوں کی بے شعوری ہو
 مسلمانوں کی عزت کی نشانی فچیوری ہو
 حجاز اور اس کی حرمت پہ بھی کٹ مراضوری ہو
 کہاں ہو آج کنز ان کی کدھارن کی قدری ہو
 کہ ان کی تربیت ناقص ہو تعلیم ادھوری ہو
 نہ ان کی گول کا جج ہو اور نہ ان کے ڈھب کی خوبی ہو
 پسند آتا نہیں کب لیگا شربت نبوی ہو

متی مالتق من تہوی دوع الوروہا واملہا

بقول خواجہ شیراز اگر شوق حضور ہی ہے

اتانک مصطفیٰ کمال نور اللہ مرقدہ

کیا پوچھتے ہو امت خیر الوریٰ کا حال
 یہ غم وہ ہی جو دل سے جگرتا گز گیا
 اس غم میں مبتلا ہو عرب بھی عجم کے ساتھ
 دنیا سے وہ مجاہد اعظم گزر گیا
 ملت کی مشکلات کو آسان کر دیا
 گزرے تھے جس کو رستے مچے تین سو برس
 جو سلطنت زمانہ کی سرتاج تھی کبھی
 چہرے کے دیئے صلیب پرستوں کو پے پے
 نوبت پھر ایشیا میں وہ بجھنے لگی جسے
 کابل سے تباہ انقرہ ایراں سے تباہ مصر
 قائم کمال کر کے چلا جس نظام کو
 ترکوں کی جن بلاؤں کو رو کر چکا ہے تو

دیکھو گے جس کو پاؤ گے غم سے اُسے نڈھال
 اقصائے چین سے تباہ مضافات پرنگال
 صاحب دلو یہ غم ہے غم مصطفیٰ کمال
 ڈھونڈے سے بھی ملیں نہ جس کی تمہیں مثال
 اُس کی عزیمتوں نے بتا دیں ذوالجلال
 اُس زخم کے لئے وہ بنا وجہ اندام
 اُس کا وقار از سر نو کر گیا بحال
 لے کر بڑھا وہ ہاتھ میں جب خنجر ملال
 سنتے رہے ہیں قیصر و پاپا نہر ارسال
 بسنے لگا پھر آنکھ میں اسلام کا جمال
 اے رب کعبہ اب نہ ہو شرمندہ زوال

کانگریسی علما

کیا پوچھتے ہو ہند میں دین ہدیٰ کا حال
خود عالمان دین بھی پھنسے اُس کے جال میں
یسعجِ حق پرست بھی کچھ ان میں ہیں مگر
کافر بھی مومنین کے اولی الامر بن گئے
لذت تھی جن کے خوان کی عجلِ حنید سے
چھوڑا جہاد کو اور انساکِ قبول
اسلام کے چمن میں صنمِ سرِ دوار کے
قرآن کے ترجمان میں کیوں بُت کی طرح چپ
کیا انقلاب ہے کہ اساطینِ شرع کو
کچھ جانتے بھی ہو کہ میں کیوں آج ہم ذلیل

وہاں ہے خانقاہ تو مسجد ہے پائمال
جس کا نہیں ہو توڑ وہ ہے کانگریس کی چال
آتے بھی ہیں نظرِ چودہ ہم کو تو خال خال
کل تک جو تھا حرام ہوا آج سے حلال
ہے آج کل پسند نہیں کیوٹی کی ڈال
جو شیر تھے پہننے لگے لوٹری کی کھال
پھرتے ہیں پات پات چھدکتے ہیں ڈال ڈال
حالانکہ ہے مدینہ کے ناموس کا سوال
دم مارنے کی گاندھی کے آگے نہیں مجال
ہم پر ہمارے ان علما کا پڑا وبال

ہاں اے خدا بچا ہمیں ان کی گرفت سے

اور بھیج دے یہاں بھی کہ مصطفیٰ کمال
۱۳۔ نومبر ۱۹۳۸ء

دہلی

انگلو عربک کالج دہلی کے طلبہ سے خطاب

مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی طرف سے بہ تقرب یوم علی کرم اللہ وجہہ ۱۳- نومبر ۱۹۳۷ء کی شب کو ایک جلسہ انگلو عربک کالج دہلی میں منعقد ہوا۔ یہ نظم اس تقریب کے لئے سپرد قلم کی گئی :-

اے عزیزو! مجھے پیغام یہ دینا ہے تمہیں
ہو چکو علم کی تحصیل سے جب تم فارغ
باندھنا ہے تمہیں بکھرا ہوا شیرازہ قوم
باندھ لو سر سے کفن ہاتھ میں لو پرچم حق
دل میں ہو ذوق بقیہ سر میں ہو دین کا سودا
راہ میں سیل حوادث سے گزرنا ہو گا
اپنے نیرے کے لئے چھین لو سونج کی کرن
پیشوائی کو نکل آئے گی دنیا ساری

عربی مدرسہ کی شان کے شایاں نکلو!
کچھ بھی بن جاؤ مگر بن کے مسلمان نکلو!
اپنے اللہ سے باندھے ہوئے پیاں نکلو!
لے کے بطحا کا پرانا سر و سامان نکلو!
مشکلیں قوم کی کرتے ہوئے آسان نکلو!
ساق برپا زودہ اور پرزودہ داماں نکلو!
فلک پیر کو کرتے ہوئے حیراں نکلو!
گھر سے نکلو تو برنگ شہر مراں نکلو!

دل کے امان نکلنے کی یہی شکل ہے ایک

دہلی کہہ جاںگیر و جان بخش دہانہاں نکلو! سالانہ جلسہ

مولانا عبدالغفور ہزاروی

صدر مجلس اتحاد ملت وزیر آباد مولانا عبدالغفور ہزاروی جب بغرم حج بیت اللہ روانہ ہوئے تو ان کے اعزاز میں رفیق عبداللطیف وزیر آبادی نے ایک پُر تکلف دعوت دی جس میں دوسرے احباب کے ساتھ میں بھی شریک تھا۔ احباب کی طرف سے اس تقریب کے لئے کچھ اشعار کا تقاضا ہوا۔ جسے یوں پورا کیا گیا :-

(۱)

حج کو جانے والے ہیں عبدالغفور آسمان ہر سارا ہے اُن پہ نور
کس نے باں سے ہو بیانِ صف آپ کا آپ موسیٰ ہیں وزیر آباد طور
جاگے مکہ میں کھجوریں کھائیں گے اور ہے گا اُن سے حلوا زور و زور
جا ہے ہیں پیتے شرب کی شراب حجاز کے اندر سے عالم کا مسرور

جب مواجہ کی سعادت ہو نصیب یاد رکھیں ہم غریبوں کو ضرور
 ہے بریلی ہم صغیر دیوبند اتحاد با اسی کا ہے ظہور
 کانگریس ٹکرا رہی ہے لیگ سے آرہا ہے عقل گاندھی میں فتور

شعری طرح کہہ سکتا نہیں

حقہ پینے کا نہیں جس کو شعور

(۲)

کانپتے تھے اس کی ہیبت سے زمین و آسمان
 جب مسلمان گھر سے نکلا باندھ کر سر پر کفن
 شیخ کے تہذیب نے گاندھی کی سنگوٹی سے کہا
 میں پرستارِ خدا ہوں تو پرستارِ وطن

وزیر آباد - ۲۷ - ستمبر ۱۹۳۸ء

دار وھا اور لندن کا شرفیاءہ بیاق

آخر انگریز کو خوش کر ہی لیا گاندھی نے
نائب السلطنت مند سے مل کر یہ کہا
صیغہ راز میں رکھی گئی یہ گفت و شنید
ہاں میں ہاں کچھ علمائے بھی ملا دی بڑھ کر
یہ وہ بیانیہ علامانہ ہے جس پر ہے گواہ
جبکہ یہ دونوں کے دونوں ہیں غلام نگلیں
متفق ہونہ سکا اس سے مسلمان کا ضمیر
کہہ دے جا کر کوئی مغرب کی ملوکیت سے
نئی تہذیب سے ہوتی جو دن کی امید
وقت آتا ہے کہ ہر گوشہ سے اٹھے اسلام
پھیل جائے گا ہر قلم میں اسلام کا نور
کہ یہ بنیا کچھ اس فن کے دقائق میں ہر طاق
مجھ کو منظور ہے سرکار کا آئین وفاق
نام رکھا گیا اس کا شرفا کا بیاق
کا نگریں لائی تھی جن کے لئے صلے کا طباق
کبھی نہرو کا تجاہل کبھی گاندھی کا نفاق
کیوں پھر آزاد ہی کامل کا اٹاتے ہیں مذاق
کہ مسلمان کو تصویر بھی علامی کا ہر شاق
غیر ممکن ہے کہ باطل سے ہوجن کا الحاق
تو نہ دیتا اُسے توحید کا فرزند طلاق
اس میں افریقہ کا صحرا ہو کہ دشت فچاق
جگہ گائے گا اس نور سے سارا آفاق
ہفت اقلیم مسخر کسی قوت سے ہوئے

۱۹۳۹ء

تو وہ قوت ہے رسولؐ کا اخلاق

کرم آباد

ہاکی

نئی تہذیب نے لندن سے آکر
 ہوا رخصت لٹھیتی کا زمانہ
 دیئے گنجے کو پریش کرنے ناخن
 خدائی کر رہے ہیں آج کل بُت
 وزارت پنت کی ہے خیر سے آج
 محافظ آرڈر کی اور لا کی
 بتایا ہم کو کیا ہوتی ہے ٹاکی
 کہ ہے قائم مقام آج اُس کی ہاکی
 یہ ہے مہیہ عرضِ مدعا کی
 حکومت اٹھتی جاتی ہے خدا کی
 مسلمان کی زباں گدی سے کھینچے
 وطن میں گر چلے ہندو سبھا کی

۱۱۔ جنوری ۱۹۳۹ء

تہذیب حجازی کا مند

مسلمان طول و عرض ہند میں ہیں ارجمند اب بھی
 دبا اب تک نہیں ہو جذبہ ان میں قرآن اقل کا
 کھنگالیں جلد و گنگا کی موجیں جس کی ٹاپوں نے
 مسلمانوں کو جس نے گردن افزائی سکھائی تھی
 مرنے والے رسا ہیں با اثر ہیں سب سے سی آہیں !
 خدا کا فضل مجھ سیکیں پر اس سے بڑھ کے کیا ہوگا
 یہ گاندھی جی نے سادہ کے سے حیراں ہو کے فرمایا
 پلج اللہ کی رحمت سے کیوں مایوس ہوتے ہیں
 کہ ان کی گردنوں میں ہو شریعت کی گند اب بھی
 کٹا سکتے ہیں ناموس نبی پر ہند بند اب بھی
 ہو میداں میں وہ تہذیب حجازی کا مند اب بھی
 وہ پرچم ہو کن کی سرزمین میں سر بلند اب بھی
 مے ترکش ہیں پکیاں ہیں سب ہیں دل سپند اب بھی
 کہ حق کی آہ میں مجھ کو پہنچتے ہیں گزند اب بھی
 کہ عبداللہ سے کیوں ڈر رہا ہو راجند اب بھی
 بلوچستاں میں ہیں عبدالصمد ہو شمند اب بھی

پہنچ سکتی ہے امت صدر اول کی بلندی پہ

بھری سلام کے بیٹے گرا کر الٹی زقند اب بھی

لاہور - ۱۷ - جنوری ۱۹۳۹ء

دوسوہہ

دوسوہہ مسلم لیگ پولیٹیکل کانفرنس میں احباب کی فرمائش پر یہ نظم ارتجالاً لکھی گئی :-

دوسوہہ کے مسلمانوں میں بیداری ہوئی پیدا
کھلا بابِ سعادت رحمتِ باری ہوئی پیدا
پہنچتا ہے مبارکباد کا حق اہل ایمان کو
کہ آخر ان کے اندر شانِ خود داری ہوئی پیدا
شرابِ زندگی پر ور چلی آتی ہو لطیف سے
لنڈھا کر جس کے خمِ مستوں میں شکاری ہوئی پیدا
پھر ابھرا دل کے اندر جذبہ آزادی کا مل
پھر اس دیرینہ دولت کی طلب گاری ہوئی پیدا

خدا نے نقدِ آمرزش سے آپ اس کا کیا سودا

ازل کے روزِ جب جنسِ گنہ گاری ہوئی پیدا

دوسوہہ - ۲۲۰ جنوری ۱۹۳۹ء

وقت کا سامری

اے سامری وقت کہ گاندھی ہو ترانا نام کہتے ہیں نصاریٰ کا تجھے بندہ بے دام
ہندو کو مسلمان سے لڑانا ہے ترانا نام ہم کو نظر آتا ہے جو ہو گا ترانا انجام
اے دشمن اسلام

تقدیر وطن کی اُسی دن سے ہوئی کھوٹی جب شیخ کے تہمد سے ملی تری سنگوٹی
اور چادر تہذیب عرب ہو گئی چھوٹی ہم قاتل الہام ہیں تو مائل اور ہام
اے دشمن اسلام

حملہ تری فوجوں کا ہے اقلیم دکن پر بلغار شغالوں کی ہوشیروں کے وطن پر
تکیہ ہیں اللہ پر اور تجھ کو دشمن پر سورج ترے اقبال کا آیا ہوا لب بام
اے دشمن اسلام

ساپنچے میں اہنسا کے مسلمان نہ ڈھلے گا سرحد کے پٹھانوں پہ یہ جادو نہ چلے گا
چرخہ لئے بیٹھا ہوا تو ہاتھ ملے گا مدت سے تری تاک میں ہر گردش ایام

اے دشمن اسلام

جس روز چلی مسجد بے پور میں گولی کھیلی گئی اسلامیوں کے خون سے ہولی
بھارت نے یہ دیکھا کہ زباں ٹوٹنے نہکولی دیتا ہی تعلیم ہے کیا تجھ کو ترا رام

اے دشمن اسلام

بطحانے مسلمان کو دیا درس الستی کاشی نے سکھائی تجھے گو سالہ پرستی
کیا خوب ہے نظارہ ہشیاری وستی خروہ وہ بقا کا ہر فنا کا ہے یہ پیغام

اے دشمن اسلام

دہلی ۵ فروری ۱۹۳۹ء



سوز و ساز

کل رات حُسن و عشق - رچے بچے تھے بزم میں یہ ماجرائے سوز تھا وہ داستان ساز
گردش میں تھا پیالہ مٹے خانہ ساز کا آیا ہوا تھا جوش میں خم خانہ حجاز
قبیلہ تو تھا وہی مگر اس کا علاج کیا اسلامیوں نے رُخ بکلیسا پڑھی نماز
تہذیبِ یثربی کی ادا پر نثار ہوں جس نے اٹھائے اسود و احمر کے اعتبار
لے سب کچھ کچھ تجھ کو اس کی بھی ہے خبر بے ڈھب یہود سے ہر نصارتی کی ساز باز
منبر پہ جو بیان نہ واعظ سے ہو سکا آخر کو فاش وار پہ چڑھ کر ہوا وہ راز
وقت آ گیا کہ ہو علم کفر سرنگوں اور پرچم نبی ہو زمانہ میں سرفراز

پیوندِ خاک ہو گئی لیگ آریاؤں کی

اور عمر تاجدارِ دکن کی ہوئی وراز

من کان لله کان الله له

(۱)

میں بسکہ خدا کا ہوں خدا میرے لئے ہے جو کچھ بھی ہے دنیا میں بنا میرے لئے ہے
 چوٹی ہے فرشتوں نے ادب سے مری دہلیز آدم کی خلافت کی قبا میرے لئے ہے
 کیوں جاؤں گدا یا نہ میں اختیار کے در پر جب رحمت شاہ وہ سدا میرے لئے ہے
 سمجھے بھی کہ کیا ہے مری کیفیت مستی یثرب کی مٹے ہوش رب میرے لئے ہے
 کیوں بڑبڑ خنجر کی ہو شرگ کو شکایت جب شیوہ تسلیم و رضا میرے لئے ہے
 کٹ مرنے کو ناموس نبی پر ہوں میں طیا وہ سر جو ہوا تن سے جدا میرے لئے ہے
 ترکہ میں ملی ہے مجھے فاروق کی سطوت صدیق کا انداز صفا میرے لئے ہے
 جس قوت بازو نے اکھاڑا درخسیر وہ موہبت شیر خدا میرے لئے ہے
 گنا بھی کی ہے یہ شان کہ بے باک ہے ہی مر جا اور ان امام الشہدا میرے لئے ہے

میں مٹ کے راہ حق میں ہوا زندہ جاوید

خوش ہوں کہ فنا میں بھی بقا ہے میرے لئے

احرام کے حصہ میں ہے گاندھی کی لنگوٹی
 گاندھی کی لنگوٹی سے ہر تہمہ مرا اچھا
 جب ہاتھ نہ آئی انہیں وُلد ل کی سواری
 قرآن کی تفسیر میں لکھا ہے انہوں نے
 تیرے لئے حُورِ ان بشتی کے کشتے
 اور خواجہ بلحا کی ردا میرے لئے ہو
 عثمان کا آئین حب میرے لئے ہو
 کنسے لگے عیسے کا گدھا میرے لئے ہو
 وردھا کے کچالو کا فرا میرے لئے ہو
 اور کاشی کی پہیوں کی ادا میرے لئے ہو

اس پر یہ کہانیں نے کہ تیرے لئے وردھا
 اور واقعہ کرب و بلا میرے لئے ہو

دہلی - ۴ - مارچ ۱۹۳۹ء



کشن گنج

ہمارا دورہ کرتے ہوئے جب میں کشن گنج پہنچا۔ جہاں مقامی مسلم لیگ کی طرف ایک
شانداز جلسہ منعقد کیا گیا تھا۔ تو خبر آئی کہ گاندھی جی نے راج کوٹ میں بھدھرت اپنی
شکت مان لی اور صفات الفاظ میں اعتراف کر لیا کہ یہاں ان کی اہمیت بھی ان کے
کام نہ آتی۔ یہ نظم اسی واقعہ سے متاثر ہو کر لکھی گئی :-

گھر گھری چرچے ہیں کہ باطل کو کچل دو اور اس نئی تحریک کا مرکز ہے کشن گنج
توحید کے فنرند کو اتانا خدا یاد و دھاکے بنوں سے نہ پہنچتا جو اسے رنج
گاندھی کی اہمیت میں نہیں کچھ بھی ہوا وزن لازم ہے کہ کہتے اُسے ٹپڑا ہوا اسفنج
مجھ کو بھی مرن بہت کے لکھنے میں نہیں غد بکری کا اگر دودھ ہوا اور شیرہ ناسنج
دی شاہ کو مات اس نے پیادہ کو بڑھا کر بے ڈھب ہے مسلمان کی بھائی ہوتی شطرنج

سو بھاش سے ملنے کے لئے جاتے ہیں گندھی
 اور حال یہ ہے پیٹ میں ہے دورۂ قونج
 انگریز سے ٹکرائے کہ ہندو سے الجھ جائے
 اس بارہ میں ٹپنہ کوہر اتنا ہی شمش پنج
 زندوں کو جو ٹھٹھرا نہیں دیتا تو کم از کم
 ساقی انہیں دے بھر کے لبالب قلع پنج
 آئینہ چوکیچو گئے تو آنکھوں میں بے گی
 تصویر سبہ طالعی و ولت افرنج

ہر نعمہ سے پیدا ہوئی ملت میں نئی روح
 میں جبے ہوں اسلام کے گلشن میں نواسنج

کشن گینے

۳ مئی ۱۹۳۹ء



بھاگلپور

کشن گنج سے میں سیدھا بھاگلپور پہنچا۔ جہاں مسلمانوں کی انھوت کے مظاہروں نے
دل پر ایک خاص کیفیت طاری کر دی۔ مسلم لیگ کے اہتمام میں کشن گنج کی طرح یہاں
بھی بڑا دھوم دھامی جلسہ ہوا۔ اور مجھ سے نظم کی فرمائش کرنے والے بیسیوں ارباب
ذوقِ آن موجود ہوئے۔ چنانچہ یہ نظم اُن کی نذر کی گئی :-

مکہ سے دہلی تاک دہلی سے بھاگل پور تاک دین کا پھیلاؤ ہوا اس سے بھی آگے دُور تاک
میری آنکھوں میں بسا نورِ خدا دارِ ان پر موسیٰ عمراں نے کیا پایا پہنچ کر طور تاک
میری حکمت نے مجھے اللہ تک پہنچا دیا ڈارون کے فلسفہ کی دوڑ تھی لنگور تاک
ہم نشیں ابوانِ استعمار کی گلکاریاں ہیں فقط رنگینی خونِ دل مزدور تاک
زندہ ہے اب بھی رسن بوسی کی سنت دار پر آپ سمجھے ہیں یہ چپے تھے فقط منصوبہ تاک
ایشیا میں ہو رہا ہے پھر وہی ہنگامہ گرم جس کی سونق تھی کبھی ٹیپو تاک و تیمور تاک
جن ہرزخموں کی ٹیسوں میں ہے سامانِ جیتا اُن کی جان پر ورتاؤش ہو مرنا سو تاک

آپ کیا اور آپ کا قانون عالم سوز کیا

عافیت انساں کی ہو سلام کہ سنندیک

بھاگلپور
۲۴ مئی ۱۹۳۷ء

کٹھیا

بہار کے دورہ سے واپسی پر مسلمانان کٹھیا کی اسلامی اخوت نے مجھے اپنے ہاں ٹھہرا لیا۔ ادیبوں نے رخصت ہوتے وقت انہیں ذیل کا پیام دیا :-

مبارک ہو مسلمانان کٹھیا کہ ہوتا ہے تمہارا بخت بیدار
تمہارا ناخدا جب خود خدا ہے تو بٹرا کیوں سمندر کے نہ ہو پار
کفن باندھے ہوئے نکلے ہیں گھر سے قیامت ہے مسلمانوں کی بلیخار
دھری رہ جلے گی گاندھی کی پونجی پٹری گرکان میں قرآن کی للکار
نہیں ملتی ہے چرخے سے حکومت حکومت اُس کی ہو جس کی ہو تلوار
کہاں ہے ہمت اتنی کانگرس میں کہ روکے بڑھکے مسلم لیگ وار
انہیں فوج گراں سمجھو خدا کی جنہیں کہتے ہیں اسلامی رضا کار
حریفوں سے یہ جا کر کوئی کہہ دے کہ مرنے مارنے پر ہم ہیں تیار
جیات تو کالایا ہوں میں پیغام ہلا دیتے ہیں دل کو میرے اشعار
کئے ہیں منکشف میرے فلم نے پیمنبر کی شریعت کے سب اسرار
مجھے سرکار بطحا سے غرض ہے نہیں اسے کار لنداز سے ہر دم بخار

۱۹۳۹ء
۲۰-۱۱-۱۹۳۹ء
کٹھیا

موتی ہاری

موتی ہاری صوبہ بہار کے ضلع چمپارن کا صدر مقام ہے۔ چمپارن نہی خطہ ہے۔ جس نے گاندھی جی کی نیم سیاسی و نیم مذہبی ہستائیت سے ہندوستان کو اہل ادل و دشمناس کرایا اور جہاں بھی چند ہی دن ہوئے آپ کی دشمن اسلام سرگرمیاں ایک نئی شان کے ساتھ کرشمہ سنج ہو کر ہندو جاتی کو سنگٹھن کا سندیسہ دیتی گئی تھیں۔ ان سرگرمیوں کے دور رس اثرات کے ازالہ کے لئے موتی ہاری مسلم لیگ نے ایک بہت بڑی کانفرنس منعقد کی جس کا پہلا اجلاس سر سید رضا علی کی صدارت میں ۱۵ مئی ۱۹۳۹ء کی شب کو منعقد ہوا۔ کانفرنس میں شریک ہونے کے لئے میں بھی اسی دن موتی ہاری پہنچا اور بعد نماز عصر کئی ہزار مسلمانوں کی موجودگی میں پرچم کشافی کی رسم ادا کی۔ ذیل کی نظم اسی وقت زبان پر جاری ہوئی:-

چشمہ زندگی قوم ہے موتی ہاری
دولت انگریز کی تیرکہ میں ملی ہندو کو
شب غم شیخ پہ ٹوٹی ہے اگر بن کے پہاڑ
مردہ اسے دل کہ ترے زخم کے بھرنے کے لئے
ہم سب آجائیں اگر ایک علم کے نیچے
ندیاں علم و عمل کی ہوئیں جس سے جاری
کہہ دو ہندو سے اب آتی ہی ہماری باری
برہمن پر بھی ہی شب کبھی ہوگی بھاری
سمت بطحا سے چلا پنپہ فضل باری
مشکلیں ملت ہینا کی ہوں آساں ساری

دین کو آپ نے دُنیا سے الگ کیوں سمجھا
 کفر کے جیلہ کا مومن کی فراست ہے جواب
 شجرِ جوہر کی ہر شاخ کو کاٹے گا ہمار
 باندھ کر تیغ و کفن گھر سے مسلمان نکالے
 قیمت آزادی کامل کی ہے خونِ شہدا
 خونِ اسلام خریدے گا جب آزادی ہند
 وقت آیا ہے کہ اسلام کا پرچم ہو بلند

۴۱ میں ایک ہیں دینداری و دنیا داری
 اس طرف غلبہ مستی ہے ادھر مہشیاری
 آ رہ کے ہاتھ میں ہو شرع نبیؐ کی آری
 دیکھ کر جن کو ہے کفار پہ ہیبت طاری
 جس کے چھڑکاؤ کی ہونے لگی ہو طیاری
 دھری رہ جائے گی گاندھی کی اہنسا ساری
 اور اُسے لے کے چلے ہاتھ میں موتی ہاری

ہار موتی کا مجھے آج پہننے کو ملا
 دیکھ لیجے مرے اشعار کی گوہر باری

موتی ہاری

۱۵- مئی ۱۹۳۹ء

بڑا مولوی

وطن جس کی رو سے ہی بنیاد ملت میں اُس شرع کی کر رہا پیروی ہوں
 اہنسا کا فوارہ اچھلا ہے جس سے میں اُس زندگانی کی شان فنی ہوں
 سکھاتا ہے جو ناچنا اور گانا میں اُس مدرسہ کا بڑا مولوی ہوں
 کبھی میں بھی تھا عازم کوئے شرب اب اس غرم کو کر چکا ملتوی ہوں
 کوئی قادری ہے کوئی سہروردی مرا خزیہ ہے کہ میں گاندھی ہوں
 مجھے لیگا سے اس لئے دشمنی ہے وہ عبدالنصاری میں عبدلقدی ہوں
 برستی ہیں جس سے تنگی بلا میں میں اُس عرش پر آج کل مستوی ہوں

سمجھ لوں میں جینا کو کیونکر مسلمان

کوئی میں بھی اشرف علی تھانوی ہوں

۲۵ چرخہ والا ترنگا جھنڈا

۱۵ درہا سیکم

لاہور ۱۶ مئی ۱۹۳۹ء

لکھنو

خدا کا دل سے خوف اٹھانے کی بھی شرم آئی
وہ شعلے خانہ جنگی کے تری جلیوں سے لپکے ہیں
ادب سے چومتے تھے نامسلمان جس کی چوکھٹ کے
مسلمانوں کو لٹاتے دیکھ کر ہر گاندھوی خوش ہے
سبق ہندو نے سیکھا ہے یہ انگریزی سیاست سے
اسی کی فتنہ سامانی کے چندیں شاخسانے ہیں
دیا تھا اسود دھرم کو جس نے دیں اخوت کا
وہ کیا جانیں کہ پرچیاں کی جراحت کیسی ہوتی ہے
کرشمہ ہر یہ اٹلے سا خدا یا تیری قدرت کا
ہل دے دل مسلمان کا دلوں کے پھیرنے والے

تجھے اے لکھنو منظور کیوں ہے اپنی رسوائی
جہنم بن رہی ہے جن کی کشور سونہ گیرائی
خود اپنے ہاتھ سے تونے بنا اس قصر کی ڈھائی
کہ امت ان کے پیغمبر کی آپس ہی میں کمرائی
کہ سستی اور شیعہ کی نہ ہونے پائے یکجائی
جنہیں سمجھے ہو مدح و قدح کی ہنگامہ آرائی
قیامت ہو اسی میں ہیں جد اہر بھائی سے بھائی
نہیں ٹاپی جنہوں نے میرے نغم دل کی گہرائی
کہ بن سکتی ہے پریت پل میں تیرے حکم سے ائی
اور اس کو محرمت کو صد باتوں کی توانائی

اُلٹ سکتی ہے اب بھی تختہ دروہا کے مدار کی
مسلمان کے جنوں آویس کی کار فرمائی

لکھنو۔ ۲۔ جون ۱۹۳۹ء

دکن میں آریہ سماجی فتنہ کی روک تھام

مسلمان ہر تو مسلم لیگ کا جھنڈا اٹاتا چل
 پڑھاتا چل سبق بیل کی بنیاد کو دھانے کا
 خدانو مشرقی مغرب میں تیرا نام اچھالے گا
 جو اٹھنا ہی تو پہلے کی طرح ہو کر قیامت اٹھ
 طریقہ شست شو کا بدر نے تجھ کو سکھایا ہی
 جلاتا چل دیا اسلام کا اطراف عالم میں
 شراب لہ گوں آئی ہو بھلا کے خمستاں سے
 پیام آزادی کا مل کا ملت کو سنا تا چل
 سلیقہ راہ حق میں سرکٹانے کا سکھاتا چل
 نبی کے نام کا آفاق میں ڈنکا بجاتا چل
 جو چلنا ہی تو بن کر برقی مضطر تلملانا چل
 اسی انداز سے خون شہادت میں نہاتا چل
 چراغ کفر کو ایماں کی پھونکوں سجھاتا چل
 ہر اک گھونٹ اس کا جاں پڑے ہی پتیا چل پتیا چل

دکن میں آریہوں کا فتنہ گرہی روکنا تجھ کو
 تو اصفیہ کے بار میں یہ نغمہ گاتا چل

جالندھر - ۵ جون ۱۹۳۹ء

ناگپور

محمد عربی کا غلام ہو جائے تو ناگ پور ابھی دارالسلام ہو جائے
 اگر ہد فرق حلال و حرام اسے معلوم تو برہن بھی ہمارا امام ہو جائے
 خدا کے فضل سے ساعت و سر پہ اپنی کہ کام فت نہ گروں کا تمام ہو جائے
 بیاد حضرت اور ناگ زیب عالمگیر نہانہ حلقہ بگوش نظام ہو جائے
 سلامی اس کے ندیموں جھگڑے مرنے بلند اس قد اس کا مقام ہو جائے
 ہمارے نہ ہے ظلم کا نشان باقی پھر اس کی تیغ اگر بے نیام ہو جائے
 شراب ہو کے جو آئے کشید بجا سے
 شکست تو بہ کا بھی اہتمام ہو جائے

مسلم ہوٹل شملہ

۱۵ جون ۱۹۳۹ء

اسلام کا رخشندہ نظام

کچھ شیعیوں ہی کے نہیں مشکل کشا علیؑ
 جو دیدہ ور ہیں خاکِ درِ پُترا بؑ ہیں
 وہ شہرِ علم جس سے ہے ذاتِ نبیؐ مراد
 مولا علیؑ کی ذات نہیں ہے خدا کی ذات
 خیبر شکن ہے قوتِ بازوئے مرتضیٰؑ
 بُوکرؑ اور عمرؑ بھی اُسی شمع کی ہیں نو
 بُوکرؑ بادۂ "معنا" کے قزاق کش
 وہ صاحبِ دو نور ہیں اور کامل الحیا
 ہر رن میں نصر و ستیل کا بھی ہے یا علیؑ
 اس میں ابوالکلام ہوں یا سرِ رضا علیؑ
 دروازہ ہیں کھلا ہوا اُس شہر کا علیؑ
 لیکن نہیں ہیں ذاتِ خدا سے جُدا علیؑ
 مرحبِ فلک ہے پنجہ شیرِ خدا علیؑ
 ہیں محفلِ حجاز میں جس کی صنیٰ علیؑ
 لذتِ شناسِ مائدہٗ "ہل اتی" علیؑ
 پہچانتے ہیں مرتبہ عثمانؓ کا علیؑ

اے لکھنؤ اگر تری ملا حیاں سنیں

کچھ جانتا بھی ہے کہ کہیں تجھ کو کہا علیؑ

لکھنؤ - ۲۶ جون - ۱۹۳۵ء

اسکندرونہ

ہوئی زندہ ترکوں کی دیرینہ سطوت
 ملیں خاک میں عظمتیں دشمنوں کی
 جو ہو دیکھتے زور بازوئے خالدؓ
 فرانس کی کس میرسی سے پچھو
 خدائے کیا مرتبہ اُن کا دونا!
 ہوئیں ہڈیاں جن کی گل سڑ کے چونا!
 تو عصمت انوفہیں اس کا نمونہ
 لیا ترک نے کیونکر اسکندرونہ
 نہ بھولے سے بھی اس کے چرخے کو چھونا
 غلامی کا چکر ہے گاندھی کا چرخہ
 جو ہونا ہے آزاد، پہنچو مدینے
 نہ سلجھا سکے گا اس الجھن کو پونا

نئی رونقوں میں بسا چاہتی ہے

وہ بستی ہر اک گوشہ تھا جس کا سونا

لاہور - ۲۷ جولائی ۱۹۳۹ء

بے مہار اُونٹ

میں نے کل پوچھا یہ صدر مجلس احرار سے بندہ پرور آپ کیوں ہیں خاکساروں کے خلاف
 گر عقائد کی بنا پر آپ کی ہولن سے جنگ کیوں نہیں ہیں آپ پھر تارداروں کے خلاف
 چار مشرک ہیں پٹیل و گاندھی و نہرو و بوس کاش ہوتی آپ کی بیخار چاروں کے خلاف
 ہنس کے فرمانے لگے ارشاد عالی ہے بجا ہو تو جائیں ہم بھی ان مُردار خواروں کے خلاف
 پل ہے ہیں ان کے چند دل پر مگر احرارِ مند پھر ہوں کیوں وہ اپنے ان فرید و گاؤں کے خلاف

کانگریس نے پال رکھے ہیں مدینہ کے کچھ اُونٹ

عالمِ اسلام ہے ان بے مہاروں کے خلاف

ایبٹ آباد - ۱۲ جولائی ۱۹۳۹ء

زنار و ناقوس!

ساجد اردکن اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خاں خلد اللہ ملکہ جہاں ایک جلیل المرتبت اسلامی فرمانروا ہونے کے لحاظ سے عدل و احسان کی جیتی جاگتی تصویر ہیں وہاں ایک نغز گو اور شیریں مقال شاعر بھی ہیں۔ حضور نے پچھلے دنوں ایک سلام سپرد قلم فرمایا جس کا ایک شعر یہ تھا۔

بند ناقوس ہوا سن کے صدائے تکبیر

زلزلہ آہی گیارشتہ زنار پہ بھی!

اس پر آریہ سماجی حلقوں میں شور مچ گیا کہ فرمانروائے دکن بڑا متعصب مسلمان ہے جو ہندو دھرم کا مذاق اڑاتا ہے۔ دھرم کی خیالی توہین کے نام پر جتنے بازی کرنے کا سلیقہ تو ان آریہ ہاشموں کو یقیناً حاصل ہے۔ لیکن مصیبت یہ آن پڑی ہے کہ انہیں فارسی ادب اور اردو شاعری کے نکات سمجھنے کا بھی دعویٰ ہے۔ ان بدتمیز ہاشموں کو جو بادشاہوں سے بھی اُبھتے ہوئے نہیں جھکتے معلوم ہونا چاہئے کہ زنار و ناقوس ادب اردو میں

۱۰۔ مسئلہ فی کی ادبی علامات سمجھے جاتے ہیں، امام اس سے کہ نامسلمان مجوسی ہوں یا آریہ سماجی۔ چند اشعار اسی زمین میں جو حضور آصف جاہ ہفتم نے اپنے سلام کے لئے پسند فرمائی ہے میں بھی عرض کرتا ہوں۔ انٹر نیشنل آیرن لیگ گنگنلتے اور جھوم جھوم کر ناقوس بجاتے۔

چرخہ دیکھا ہی جہاں گاندھیلوں کا ٹوٹنے
 ایک وید کی نہیں اللہ کی رحمت کو تمیز
 اک نظر حیرت رکھتا رہا کی تلوار پہ بھی
 کہ وہ نازل ہوتی مجھ جیسے گنہگار پہ بھی
 حق اگر ہے تو یہی ہے کہ ہو اس کا اعلان
 دکن اور اس کی حکومت کے کرم کی بارش
 گالیاں کھانے سے بچ جائے دکن کی سکر
 کیا تماشا ہے کہ کرنے لگے ہندو یلغار
 ورق الٹیں کسی فرہنگ کے لالہ پہلے
 بند ناقوس ہو اس کے صدائے تکبیر
 زلزلہ آہی گیارشتہ زلزلہ پہ بھی!

لاہور۔ ۲۰۔ جولائی ۱۹۳۹ء

دکن کے اچھوت

بننے والی ہے دکن کی سرزمین جنتِ نشا
رنگ کے اور نسل کے سب تفرقے مٹ جائیں گے
جن سے چھوٹا بھی گوارا آج ہندو کو نہیں
مرحمت ہوگا انہیں عزت کا اجلا پیرہن
وقت پہنچا کہ تختہ جائے موہن بھوگ انہیں
آریوں کے بھت کیوں کہتے ہیں خدامِ نظام
ملتِ بیضا کی محفل میں مساوات آگئی
کلمہ پڑھ کر تھوڑوں کا رتہ اُن سے بڑھ گیا
کہہ دیا گاندھی جی اُن کے اوّل سب خالی گئے
ساعتِ آپہنچی ہو سر پر دعوتِ دانشداد کی
بادِ کلام آزاد ہیں سن وقت کیوں محج سکوٹ

دیکھ لے منظور ہو جس کو کمالِ ارتجال

میرے یہ اشعار گو ہر بار پڑھو اس کا ثمر

۱۹۳۹
۲۱ جولائی

آریہ سماجی فتنہ

شعلے جس آگ کے ہیں وطن میں بلند آج
 نہرو کی طرح اُس کو دھرم سے غرض نہیں
 آنکھیں دکھا رہے ہیں مسلمان کو ہنود
 یہود سے بھی نرم اہنسا کی پتلیاں
 باطل سے ہو متقابلہ حق کے جیوش کا
 پٹنے لگی ہو شیخ کے ماتھے پہ نیوری
 جس تنگ بل میں اُس کا سما نا محال ہو
 حیدر نواز جنگ سے جا کر کہے کوئی
 گریساری سلطنت بھی انہیں بخش دیں نظام
 بھڑکا رہا اس آگ کو ہے آریہ سماج
 مقصد یہ ہے کہ دیس میں قائم ہو رام راج
 جس نے ہزار سال تک اُن سے لبیا خراج
 چھینیں گی کس طرح اسد اللہ بیول کے تاج
 ہو اس طرف جو سنگ تو ہو اُس طرف راج
 اُٹھنے لگے قلب برہمن میں اختلاف
 اُس میں گھسا ہو باندھ کے چوہا کر سے چھاج
 بگڑا ہوا ہے آج کل اس قوم کا مزاج
 پھر بھی نہ ہوگا آریوں کی حرص کا علاج

اسلام کو یقین ہے کہ صولت حضور کی
 رکھ لے گی دین مصطفویٰ کی دکن میں لاج

گاندھی جی کا غمِ کشمیر

ترکش سے نکالا ہے اہنسا کے نیا تیر
پاتے ہی ہزارہ کے مشاغل سے فراغت
وہ خطہ کبھی جس میں سرفراز تھا اسلام
آج اُس کی یہ حالت ہو کہ وردھا کا ماری
کشمیر کے جنگل میں دڑو کا ہر چوہہ رسوں
توحید کے فرزند سے جا کر کوئی کہہ دے
گھر سے نکل آ کر کھ کے ہتھیلی یہ سراپنا
اور کھینچ دے پھر سر کہ بدر کی تصویر

چلنا ہے تو چل جاوے شاہِ دوسرا پر

کرنی ہے تو کر پیروئی ملتِ کشمیر

عزت و ذلت

اُدھر آریہ سماجی اُدھر اُتھا دِملت ہر اُدھر خدا کی عزت ہو اُدھر مہرتوں کی طاقت
 ملی جس کو بارہا زک وہ ہے مشرک نہ کثرت جو رہی ہو غالب اب تک وہ ہو مہمانہ قلت
 یہ شغال پست فطرت سنا ہو گرتن سن لیں کہ محال ہے بدلتی اسد اللہی جبلت
 بڑے اچھے ہیں مثل شیخ جو ملے ہیں نگر میں گلڈن سے ہو تو یہ ہر کہ ہو گاندھی اُن کی علت

یہ وہ عالمانِ دین ہیں جو ہمیں بتا رہے ہیں
 کہ سماجیوں کی حرمت ہو جانیدوں کی حلت

لاہور ۲۸ جولائی ۱۹۳۹ء

بلوچستان

بسکہ اسلامی اخوت کی کشش تھی بے پناہ دل مرا مجھ سے یہ کہتا تھا بلوچستان چل
 دیکھ چل کر سرحد بلان پر شانِ تلات تازہ اس نظارہ سے کرتا ہوا ایمان چل
 تفرقے سارے مٹا دے اُمتِ مرحوم کے مشکلیں اسلام کی کرتا ہوا آسان چل
 توڑنا ہے تجھ کو استعمارِ مغرب کا ظلم باندھ کر تیغِ اٹھ گئے ہیں ال کر قرآن چل
 چال وہ چل جس سے الٹے گا نہ صوبت کی بساط یعنی ناموسِ پیڑ پر چھڑکتا جان چل
 سندھیوں کو اور پٹھانوں کو بلوچوں سے ملا ان کو سمجھاتا ہوا اسلام کا فرمان چل
 کفر کے ٹوٹے کا بیڑا غرق کرنے کے لئے
 تجھ کو چلنا ہے تو بن کر نوح کا طوفان چل

فوتِ شہیدین ۳۰ اگست ۱۹۳۹ء

مسجد منزل گاہ سکھر

غیر کی تجویز میں مسجد ہے منزل گاہ کی
 یہ وہ گھر ہے جس میں ملتا ہے سبق توحید کا
 یہ وہ گھر ہے جس نے پھیلانی ہے ایمان کی ضیا
 یوں بڑھا ہوتا ہے تالا گھر میں یہ کعبہ کے
 اے مسلمانو نشان معصوم کا مٹنے نہ دو
 آج سکھر میں ہے دنگل کفر اور اسلام کا
 شرورہ ہوا اسلام کو بطل کی شہر گٹ گئی
 کافروں کے چاکے کہہ دو نکتہ چیں دین نہ ہو
 اہل سمندر کا شنار زادہ توحید ہے
 کہہ دو گاندھی سے نہ اچھے ملت اسلام سے
 سلببیل و کوثر و تسنیم کا ہے اتصال
 میری نظم گوہریں ہیں آفریں سے بے نیا
 سندھیوں کو چاکے دو پیغام مسلم لیگ کا

قبضہ طاغوت میں ہو جائدا اللہ کی
 اور اٹھادی ہے تیرا اس نے گدا و نشا کی
 ریشنی پڑتی ہے جس سے ماہر و ماہ کی
 حکمرانی سندھ میں ہوئی گرا آصفیہ کی
 تاکہ ہو اسوہ روح اس مرد حق آگاہ کی
 دیکھ لے ہندوؤں گشتی یہ کوہ یکاہ کی
 جب لگائی ہم نے آکر ضرب اللہ کی
 دین میں گنجائش نہیں ہے جبر اور اکراہ کی
 لا نہیں سکتا خیر گردوں بھی جس کی فضاہ کی
 عرش انکسپ انہی اس کی جہاں سو آہ کی
 سند کا دریا ہے یا رحمت رسول اللہ کی
 وہ سخت ہوں نہیں پروا ہے جس کو واہ کی
 ہو ملاش آگے کہ گدا و نشا کی

۱۹۹۵ء

۱۹۹۵ء

۱۹۹۵ء

بٹالہ

دو غم تھے جہاں میں غمِ دزد و غمِ کالا
گر میری قناعت سے نہ پڑتا انہیں پالا
بیچ کر نکل آیا ہوں میں ان دنوں کی نشے
جس طرح اندھیرے نکلتا ہے آجالا
توحید کے سانچے میں ڈھلی ہو مری فطرت
آفاق میں پھر بول نہ کیوں ہو مرا بالالہ
ہے جنتِ فردوس تہِ سایہِ شمشیر
تلوار نے دنیا میں مرا نام اچھالا
دیتا ہے لقبِ زیبِ موصی کا اُسی کو
میدان میں جو ہتھیار و کفن باندھنے والا
دنیا کے حوادث سے مسلمان کو کیا ڈر
جب اُس کا نگہاں ہے خدا واللہ تعالیٰ
کل لیگ نے بہ رازِ بٹالہ میں کیا فاش
ہے کانگریس انگریز کی اغراض کا آلہ
گاندھی کو مبارک ہو غلامی کا تمسک
اندھیریں جو دودھ کی ہیں سب ہو گئیں الٹی
چرخے سے حکومت نہ ملی ہے نہ ملے گی
تصویرِ مرقع میں ہے کیا خوب و کن کی
اس باب میں ہیں تفیق اب شیخ سے لالہ
ہوتی ہے مری طبع یہاں آ کے رواں او
ہے چاند نظام اور مسلمان ہیں ہالہ

۱۹۳۹ء
۱۶ اگست

مضمون سمجھاتا ہے نئے مجید کو بٹالہ

بٹالہ

بھیرہ

خدا کی رحمتوں نے ہر طرف سے مجھ کو گھیرا ہے
 پرستارِ ان خاکِ کعبہ جس رستہ سے گزریے ہیں
 اُجالا ہی اُجالا ہے مسلمانوں کی بستی میں
 کچھ اس کی بھی خبر ہو تم کو چرخہ کا تنے والو
 مسلمان ہی یہ کیا موقوف تو میں بھی غالب ہیں
 رسول اللہ کے گھر میں کیسی انقلاب آیا
 خدا ہی جانتا ہے حشر اس ٹولی کا کیا ہوگا
 یہ کہہ دشتِ ستوں سے کہ بستر تہ کریں اپنا
 پھٹی ہو پوہا جاتا کوئی دم میں سویرا ہے

حیاتِ نو کے جلوے دیکھ لو پنجاب میں آکر

مسلمانوں کی سطوت کا نیا گواہ بھیرا ہے

بھیرہ - ۲۳ اگست ۱۹۳۹ء

سرگودھا

مسلمانان سرگودھا! خدا کی قسم یہ رحمت ہو
 ہنرمیت پر ہنرمیت دو گے تم اعدائے ملت کو
 شکست فتح بے پہوا ہیں کثرت اور قلت سے
 جہاں جاتا ہوں میں ان نظم کی ہوتی ہو فرمائش
 چلا جائے گا یوں ہی کانگریس ورلڈ کپ جھگڑا
 ہمارے گھر کی آبادی ہو ان کے گھر کی بنیادی

مسلمان ہندوؤں میں ہر نہیں سکتے کسی غم
 یہ نکتہ مجھ سے سن لو اختلافان میں ہو بنیادی

سرگودھا۔ ۲۷ ستمبر ۱۹۳۹ء

جادو کے دورے

خدا کے عدل پر ہر خندہ زن میری لنگاری
 میں خود میں تھا خدا بیتن گیا اُس کے تصدق میں
 میں پہنچا ہوں محمد کی شفیق المذنبین تک
 ہو میری دُوبینی جس کی ختم المصلین تک
 زمین و آسمان کی رحمتوں کی اُس کو کیا پروا
 مجھے ڈہر نہ لے جائے کہیں ایماں مرا مجھ کو
 جہانباں اور بھی ہیں لیکن اُن کی یاد باقی تھی
 سلیقہ ہی رہا بات سلف کو زندہ کرنے کا
 دلوان ڈال لو جادو کے دورے گر پہنچ جاؤ
 مرے افکار رنگانگ کی سحر آفرینی تک

شمارہ ۱۰۰ ستمبر ۱۹۳۹ء

خاکسار کی آن

عربی عزم کے کچھ جاگتے جیتے پیکر
 سرکھٹ گھر سے کل آئے ہیں اس عزم کے ساتھ
 ماسوا کی کسی طاقت کا نہیں خوف ان کو
 آنکھ میں موت کی تصویر اتر آتی ہے
 اُن کی تنظیم سے ہیں لہزدہ بر اندام حریف
 پست جی اُن کو کچلنے پہ ٹلے بیٹھے ہیں
 کہہ دے پوپی کی حکومت یہ جا کر کوئی
 عجمی عزم کی اوڑھے ہوئے ہندی چادر
 کہہ ہو باطل کے ہر کفیل سے اُن کی ٹکر
 ان کے دل میں ہو فقط ہیبتِ بابا کبر
 نظر آتا ہے جب اغیار کو اُن کا لشکر
 راز ہو غلبہ اسلام کا جس میں مضمحل
 اور نظر آتے ہیں بدلے ہوئے اُن کے تیور
 خاکسار ان وطن راجحارت منگر

تو چہ دانی کہ دین گمرد سوائے باشد

لاہور - ۱۶ ستمبر ۱۹۳۹ء

تاجدارِ دکن کی شان کجکلاہی

ادبِ نبی کے ادھر کا اور نواہی کا پتہ فقیر کو دیتا ہے بادشاہی کا
 اثر ہماری قضا ہائے صبح گاہی کا ہے پیش خمیہ بد اندیش کی تباہی کا
 اطالیہ میں لہر نے لگا مسوینی کہ ڈر ہے حملہ عصمت کی بے پناہی کا
 نویدِ عرش سے آئی کہ شرقِ اونے میں درِ یچہ کھلنے کہے رحمتِ الہی کا
 جہانِ کفر پر ایساں کو ملنے والا ہے ہر اختیارِ سفیدی کا اور سیاہی کا
 حرم کی گود میں پل کر جوانِ مرغِ غرور حضور آصفِ ہنتم کی کجکلاہی کا
 نہ منحرف ہوا ولی الامر کی اطاعت سے کہ سب کے فرض بڑا ہی سپاہی کا

کیا خدا نے مسلمان مجھ کو از سر نو!

صلہ ملا یہ مجھے دیں کی خیر خواہی کا

لاہور - ۱۸ ستمبر ۱۹۳۹ء

اتحاد کی شرطِ اولین

خواب و خیال ہو گئی آزادئی ضمیر
 جودل میں ہو نہل ڈباں پر عیاں نہیں
 دنیا کے جتنے ٹکڑے تھے آزاد ہو گئے
 آزاد اگر نہیں ہو تو ہندوستان نہیں
 گروا گئی تھیں جس سے کبھی اس کی محفلیں
 شاید وہ خوں بس کی گول میں لیں
 ہلی حرم کی اور نہ باں دیر کی ہے اور
 ہندوستان کا کوئی بھی تر جہاں نہیں
 افسانہ ہو چکا ہے رتن ناتھ کافوں
 جاو و بیانی اسد اللہ خاں نہیں

شیخ اور برہمن کا ہے دشوار اتحاد
 جب تک کہ ان میں شرک و زبان نہیں

شمارہ ۲۳ ستمبر ۱۹۳۹ء

فضلِ باری

بمگا ہیں سارے کشور کی جمی ہیں خاکسائیں پر
 عتاب اُن پر کئی ن سے ہو پنی کی حکومت کا
 مسوینی ہو یا ہٹلر ہو غالب انہیں سکتے
 قضا نے لاکے رکھ دی دیوا ستبدا کی گردن
 کہ ہفتا ہر شمار اُن کی قطاروں کا شماروں پر
 ہر اک جس کا قدم اٹھتا ہو گاندھی کے اشاروں پر
 حضور مقرر کون مکان کے جانثاروں پر
 مسلمانوں کی خون آشام بلوائوں کی تھاروں پر

اوافق ہو نہیں سکتا سپاسِ فضلِ باری کا
 فضیلت جس نے بخشی ہو پیادوں کو سواروں پر

لاہور۔ ۲۴ ستمبر ۱۹۳۹ء

الستی شراب

عہدِ خزاں گزر گیا فصل بہار آگئی دوش صبا پہ بجے گل ہونکے سوار آگئی
 نامیہ نے جگا دیا سبرہ کو خوابِ ناز سے باغ میں کوکتی ہوئی قمری زار آگئی
 راہِ رجحان کو نافِ شوق مل گیا گرم رووں کے ہاتھ میں اُس کی ہمار آگئی
 کشتیِ امتِ قویم جس کے نبی ہیں نا خدا سینہ بھنور کا چیر کرتا بکتار آگئی

ہم ہیں وہ زندلم نیل جن کے لئے مٹے الست
 گل جو ملی تھی دے کے دم آج اُدھا آگئی

لاہور - ۲ - اکتوبر ۱۹۳۹ء

یورپ کے دو قزاق

اپنی جیبوں سے رہیں اقوامِ عالم ہوشیار
 کیوں نہ ہوتی روس سے المانی کی سازباز
 حصے بخرے کر لئے دونوں نے پولستان کے
 یہ وہ خوں ہو جس کو پی کر بھٹ چلیں ان کی گیس
 ہم نے یہ مانا کہ سگلیں ہے حصارِ جرمنی
 فتح اس کی ہو خدا کا فضل جس کے ساتھ ہو
 ہم حریف اس کے ہیں جو ہر دشمن صلح و سلام
 باندھ کر سٹوٹ گئے ہیں لشکرِ کفارت سے
 بیگل طاغوت کی بنیاد ڈھا دی جائے گی
 جس کے ہر قطرہ سے پیدا ہو حیاتِ جاودا
 سر پہ پہنچے فرنگستاں کے قتلِ عِطریق
 چور ہی آخر ہو کر تے ہیں چوروں کے فریق
 خونِ ناحق کے سمندر کا یہ کشور ہے مغربی
 کاش کھوپیں ترک ان بنوں کی قصدِ باسلیق
 سخت تر ہے لیکن انگلستان کی برقی مہینق
 ہوش کے نول سے سن لیں جنگ کے دنوں فسیق
 اس عالم جس کی غایت ہو ہم اس کے ہیں رفیق
 ہم مسلمانوں کو اب تک یاد ہے جنابِ رفیق
 حشر تک قائم رہے گی روئی بیتِ العیق
 ساقیا بلحا سے جالا کر وہ جاں پرورِ رفیق

نامِ آصف جاہ ہفتم کیوں نہ ہو دروڑیاں

جب ملے خلقِ خدا کو تاجدارِ اساطیق

لاہور
۳ اکتوبر ۱۹۲۹ء

خاکسار کی شان

سب سے بڑی صفت یہی پاؤ گے خاکسار میں
جنگ سے گرنے ہو مفراتے گا سرکھن نظر
صاعقہ ہیں جلال میں خاک ہیں انکسار میں
خمسکہ حجاز سے آئی شراب خانہ ساز
گرچہ کٹے ہیں اُس کے دن امن کے انتظار میں
گرویش وزگار کا غم نہیں اُس کے چیل کو
تاکہ اسے بھی ایک ٹنٹ دے کیٹی نو بہا میں
بسکہ وہ ہے بسا ہوا رحمت کردگار میں

اُس کی بھی ہر وہی رضا جوہی رضائے کردگار
مطمئن اُس کا قلب ہے جیت میں اور ہا میں

لاہور - ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۹ء

مشرق کے دیوانے

ہیں نازاں پی جس تہذیب پر مخرجے فرزانے
اُبھرنے پر تیلے بیٹھے ہیں جذبے صدرِ اَدل کے
وہ وقت آیا کہیں قدرت کی تغیریں بان کا
مسماں ہو کے اپنے نفس کو جس نے نہ پہچانا
بظاہر خاکِ تپلا بباطن نور کا پیکر
پیشینی موصد ہم میں مدغم ہوں تو کیونکر ہوں
نہتے خاکساروں کے اہو سے کھیلنا ہولی
جب ان سے ہیں پوچھا لکھنؤ کیوں آ پتے جا ہیں

اُڑانے کو ہیں اُس کی وجھیاں مشرق کے دیوانے
جنہیں پالا ہو آغوشِ نقیس میں خاکِ بطحانے
لگانے ہیں حرم کو جس قدر چہرے کلیسا نے
توقع اس کیا ہوگی کہ اپنے رب کو پہچانے
مسماں کے مراتب کیا ہیں فکر کی بلا جانے
اس اک غم میں گھلے جاتے ہیں کلشی کے صنم جانے
برہمن کی حکومت کو سکھایا ہے اہمنسا نے
توبہ لے مسکرا کر ہم چلے ہیں گولیاں کھانے

جنہیں حل کر بھی باقی ذوق ہر کچھ اُدر جانے کا
وہ ہیں شمعِ شبستانِ ہمیشہ کے یہ پروانے

سراے میر

آئی بہار و درختاں کا گزر گیا
 آ کر چمن میں زمزمہ عندلیب سن
 لہرا سراے میر میں اصلاح کا علم
 کیوں پسہ دے فلک نہ ترے آستانہ کو
 سر سے کفن لپیٹ کے میداں کی راہ لے
 گر نام اچھا لانا ہے براہیتم کا تجھے
 گر کاٹنا ہے چرخہ تو دستِ قضا سے کاٹ
 برسا ہے ابر رحمت حق جھوم جھوم کر
 دیرانہ کو حوالہ غوغائے بوم کر
 اور ساتھ ساتھ خدمت بیت العلوم کر
 آیا ہے تُو رسول کی چوکھٹ کو چوم کر
 پھر ایک بار فیصلہ شام و روم کر
 یک نخت ترک آذریوں کے رسوم کر
 لیکن نفاق ہند کی روٹی کو تو م کر

کہہ دے یہاں سے بھول گئے کیوں تم کو آپ
 آئیں ابوالکلام جو روٹھا سے گھوم کر

سراے میر - ۲۹ - فروری ۱۹۳۹ء

۱۵ مدرسۃ الاصلاح کی طرف اشارہ ہے جسے علامہ شبلی نعمانی اور علامہ حمید الدین فراہی رحمہما اللہ
 کی متفقہ مساعی نے سراے میر میں قائم کیا اور جو نہایت شاندار تعلیمی خدمات انجام دے رہا ہے
 ۱۶ مدرسۃ بیت العلوم سراے میر جس کے کارپردازان کی دعوت سے اسے مصلح اعظم گڑھ لے گئے۔

رہرو اور راہ نما

ہم کو دیتے تھے یہ دعوت کا فرمایاں لیگ
 تاکہ آزادی کا پرچم ہند میں لہرائے تو
 مرکزیت میں ہے مضمر زندگی اقوام کی
 ایک جھنڈے کے تاج جسے ذرملت آئے گی
 دل کے کانوں سے یہ نکتے پیر برنانے سنے
 آج فرزندِ اسلام ایک مرکز پر ہیں جمع
 پھر نہ کیا ہو کوئی خاطر میں انہیں لاتا نہیں
 قوم زنجیروں میں ہو جکڑی ہوئی پہلے کی طرح
 رہنراں گرم رو جائیں تو اب جائیں کہاں
 اگر مسلمان ہو تو ہو وابستہ داماں لیگ
 ابرجست بن کے سارے ہند پر چھا جائے تو
 اور یہی تعلیم پہلے دن سے ہے اسلام کی
 ساری دنیا اس کے آگے خود بخود جھک جائے گی
 لیگ کے گلشن میں آکر پھول حکمت کے پھٹنے
 ایک شاہ پر چوکت جائے وہ سر کر ہیں جمع
 اور یہی قول کا سر آگے ان کے جھابٹا نہیں
 گردن اغیار ہو کر ٹری ہوئی پہلے کی طرح
 اپنی جمیت کے جوہر جا کے دکھلائیں کہاں

قوم کی تنظیم سے کیا کام لیں گے رہ نما
 کیا فقط تنظیم ہی کا نام لیں گے رہ نما

لاہور - ۲۲ مارچ ۱۹۴۰ء

عقدہ ہندوستان کی کشائش کا رائے

حکومت مرکزی ہو اور نظام اُس کا ہو جمہوری
 نشان برابر ہوں گے ندھی نہرو پٹیل اُس کے
 حفاظت اُس حکومت کی کسے انگریز کا لشکر
 یہ وہ حکمت ہو ضم جس میں دھوا کی سیٹھ ہے
 مگر ہندوؤں کا عقد یوں حل ہو نہیں سکتا
 کوئی جا کر یہ کہہ دے کانگریس کے رہنماؤں سے
 مدار اُس کا ہو دوڑوں پر قوم اُس کا ہو دستوری
 مسلمان ووٹ جن کے ہیں ہر یکم ہوں میل اُس کے
 اور اس لشکر کے بونے پر ہو اونچا ہندوؤں کا سر
 ٹیکتی جس کے ہر نکتہ سے گاندھی کی فراست ہے
 مسلمانوں کا ہاتھ اس دل سے نکل ہو نہیں سکتا
 کہ مشکل ہو الجھنا رب اکبر کی قضاؤں سے

اگر آزاد ہونا ہے خدا کا آسرا ڈھونڈو!

ہمارے بارے میں تیج آزما کا آسرا ڈھونڈو

دہلی - ۲۰ اپریل ۱۹۴۰ء

چیمبر لین کا جنگی ترانہ

دلاتے ہیں یہ اطمینان چیمبر لین پولوں کو
 مقدر ہو چکی ہے فتح انگریزی عسا کر کی
 نیٹ کرنا زیوں کے روس کو بھی ہم سمجھ لیں گے
 بیاطن چیچ ہیں کھل جائے گا پول ایک ن اُن کا
 مسیہینی کا سر اُٹلی میں ہونڈا جائے گا جس دن
 چھڑا سکتے ہیں ہم اب بھی عقابوں سے ممیوں کو
 پڑا پھوڑا کرے ہٹا کر چلے دل کے پھیپھوں کو
 کبھی اس سچ بھی پھینا ہی ہمارے ہم کے گولوں کو
 بجائے جبر منی اپنے بلند آہنگ فصولوں کو
 برستا دیکھ لو گے اُس پر انگلستان کے اولوں کو

ہمارے ساتھ ہیں ترکا دبے ڈھب خدا اُن کا

منوں کا وزن جس نے بارہا نختا ہی تو لوں کو

۱۴۔ اپریل ۱۹۴۰ء

اقبال

شی مسلم لیگ بیالکوٹ کے جلسہ میں سیدیل انتجال

اقبال جس کا نام ہے درو زبان خلق نازاں ہے اُس کی ذات پہ خاکِ بیالکوٹ
اُس کا کلام زندہ جاوید ہو گیا ہر زمرہ نے اُس کے لگائی جگر پہ چوٹ

اسلامیوں کی ملک میں ہے دیارِ ہند

مانا کہ اس دیار میں کم ہیں ہمارے ووٹ

بیالکوٹ - ۱۸ - اپریل ۱۹۴۰ء

تین سو کنڈیں

ازل کے روز سے بار امانت کا ہوں میں حال خدا کا فضل بے پایاں ہو میرے حال کو شامل
مسلمان ہوں مرا مقصود ہے آزادی کامل قسم ہے سرور کو نین کی جان گرامی کی!
کہ اک جھٹکے میں توڑوں گا میں زنجیریں غلامی کی

ثریا سے بھی اونچا دین قسم کا علم ہوگا سہرا عداۓ ملت عرضہ تیغ دو دم ہوگا
موحد ہوں مرا سر غیر کے آگے نہ خم ہوگا قسم ہے اشہب توحید کی محشر خرامی کی
کہ اک جھٹکے میں توڑوں گا میں زنجیریں غلامی کی

نہیں ہے اک فقط معمورہ ہندوستان میرا بنایا ہے وطن اللہ نے سارا جہاں میرا
ہر اونچا ساری قہقہوں کے نشانوں سے نشان میرا قسم ہے سطوت کبرئے کی یلغار دوامی کی
کہ اک جھٹکے میں توڑوں گا میں زنجیریں غلامی کی

لاہور۔ ۲۱۔ جون ۱۹۲۰ء

کمال یار جنگ کمیٹی

کمال یار جنگ کمیٹی جس کے صدر مولوی عزیز الحق سپیکر بنگال اسمبلی تھے پنجاب کا دورہ کرتے ہوئے اور مسلمانوں کی تعلیمی ضرورتوں کا جائزہ لیتے ہوئے ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۰ء کو کرم آباد پہنچی۔ اس کے بعد کی تقریب پر ذیل کی نظم سپرد قلم کی گئی۔

ہر ایک دل میں ان نوت ٹریپے اس امنگ کی
کہ قص زندگی میں ہو جہنگی فرنگ کی
نہ فوق مذہبی رہا نہ جوشِ بشری رہا
اڑیں فضا میں دھجیاں سہارے نامِ فرنگ کی
عروسِ علم پفدا ہزار جاں سے ہو وطن
گر اس کے رخ میں جھٹک عمل کے آبِ رنگ کی
حیاتِ نو کا درس دو مگر سلف کے رنگ میں
وہ چاہتا ہے تربیت مجاہدانہ ڈھنگ کی
وہ انقلابِ خوں چکاں رکے گناہ کیوں گیا
جلو میں جس کے دھاک ہر سناں کی اور تنگ کی
خفا نہ ہو جو برہمن تو سن لے گوشِ ہوش سے
کہ خاصیت الگ الگ ہو زمرم اور گنگ کی

یہ سارے وہ نکات ہیں جنہیں جتانے کے لئے

کمیٹی آئی ہے یہاں کمال یار جنگ کی

کرم آباد - ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۰ء

ملت بیضا سے دو دو باتیں

اے اشرف الائمہ کہ تری کشتِ سبز پر
ہندوستان میں کر علمِ اسلاف کا بلند
ہر ذلہ سے جو مایہ ہے تیرے خمیر کا
دنیا کے ڈھنگ سیکھ مگر اس کے ساتھ ساتھ
آئی ہیں جس سے عاجز اہنسا کی تکلیاں
تو بلبیلِ ریاضِ رسولِ کریم ہے
بطحائوں کو عیشِ مخلد کی دے نوید
روما کے کارواں کو ڈپور و نیل میں
برلن کی دستبرد کو ذوقِ یقین سے روک
میرے کفنِ لپیٹ کے دشتِ وغا میں آ

برسا ہے ابرِ رحمتِ حق جھوم جھوم کر
آئے جو تُو حوالیٰ بلحا سے گھوم کر
ہر دم و بوم کا پیدا ہجوم کر
آدابِ شرعِ مصطفویٰ کا لزوم کر
وہ سوت کاتِ ردئی طرہیت کی توم کر
سامان پر شکستگی بومِ شوم کر
پاپائیوں کو عرضِ تنہج ہوم کر
اس سے اگر نیچے تو سپردِ مہوم کر
اس ذوق کے حصص کو وقفِ عموم کر
اوپرل کے پل میں فیصلہ شامِ دروم کر

میر پر کلاہِ سرورِ شرق و غرب رکھ

دہلیزِ تاجدارِ مدینہ کے حرم کے

۲۶۔ اکتوبر ۱۹۴۰ء

ہندوستان کا پیغام روس کے نام

ماسکو سے ہو رہا ہے رشتہ برلن کا قریب
 طوق ہٹلر کا ہے اور گردن ہے مولوٹوف کی
 دب گئی چپخے کی ترخ چوں بوں کی گنج میں
 جس سے بنیادیں لرز اٹھی ہیں کوہِ قاف کی
 اس میں جینا ہوں کہ ہوں راماسوامی مدلیا
 کوئی بھی سنتا نہیں ہے ہند کے نڈاف کی
 کون ہو گا ایشیا میں اس سے بڑھ کر بے وقوف
 جس کو ہر تہذیب پر پکے اُمید انصاف کی
 راہِ حق میں سرکٹانا آگیا جس قوم کو
 مٹے خمد ہو کر رہ انصاف اُسی نے انصاف کی

انتخوان ترک کی سختی پہ دُنیا ہے گواہ

روس سے کہہ دو کہ مانگے خیر اپنی نافر کی

دہلی - ۱۶ - نومبر ۱۹۴۷ء

چرخہ اور تلوار

جینا کی صدا اور ہے گاندھی کی کتھا اور
 بیٹا ہے وہ تلوار کا چرخہ کی یہ اولاد
 اس کا ہر یہ نقشہ کہ ہیں دل اور زبان ایک
 زیبا ہے اُسے ملت بیضا کی قیادت
 وہ بادہ جو آیا ہے خستہ ان عرب سے
 کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ملت ہر وطن سے
 ملت کا تقاضا ہے کہ اے قائدِ عظم
 مغرب کے حریفوں کو جو رک دینی ہے منطوق
 باتوں سے نہ مانیں گے کہ لائوں گے یہ ہیں بھوت
 گاندھی کے جھکانے کی جو ہر خجہ کو تلتا
 بطحا کی فضا اور ہے دودھا کی ہوا اور
 ہے لطفِ جہاد اور امن کا مزا اور
 اس کی یہ علامت کہ کہا اور کہا اور
 اسلام اُسے کیا مرتبہ دے اس کے سوا اور
 ساتی مجھے اُس بادہ کا اک جام پلا اور
 حالانکہ ہے فرمودہ شاہِ دوئرا اور
 اسلامیوں کی شان میں کچھ چاند لگا اور
 مشرق کی سیاست کا کوئی دامن بچھا اور
 ان سے جو بیٹنا ہے تو حریہ کوئی لا اور
 اللہ کی دلیلیں نہ یہ گردن کو جھکا اور

وہ ہند میں گونجا تو یہ آفاق میں گر جا

ہینگور کاراگ اور ہے اور نغمہ ہوا اور

دہلی
 ۳۰ دسمبر ۱۹۴۷ء

آزادی کی اولین شرط

اگر چینا کا دل آجائے گاندھی جی کی مٹھی میں
 پٹے جھولا مرگت کا بڑھیں خلاص کی منگیں
 رعدا داری کا دل کے ہر اک مندر میں چمچے ہو
 جو دامن ہوا قلبیت تو چولی اکثریت ہو
 ادھر ہوشیج کا کس بل ادھر نشکنتی برہمن کی
 عالم لہرائے جمہوری سیادت کا ہمالہ پر
 کریں جو فیصلہ ہندو مسلمانوں کی مرضی سے
 سیاست میں ہم انگریزوں کے شاگرد خصوصی ہیں

تو غیروں کی غلامی سے وطن آزاد ہو جائے
 یکا یک تانہ ایام سلف کی یاد ہو جائے
 ہر اک مسجد جواب ویران ہے آباد ہو جائے
 توانا مطمئن ہونا توں دل شاد ہو جائے
 یہ دہرا زور مرگ دیو استبداد ہو جائے
 ملکیت کے گھر کی منہدم بنیا د ہو جائے
 وزیر ہند کا مجبوراً اس پر صاد ہو جائے
 عجب کیا آج کا شاگرد کل استاد ہو جائے

عمل کا وقت ہو باب جو کرنا ہوا اب کر لیں

مبادیہ قبالہ زائد المیعا د ہو جائے

فتح مبین

اگر بدلا ہوا رنگ آسمان کا اور زمیں کا ہے
 موحّد ہوں مجھے نسبت ہو ابراہیمؑ آذر سے
 وہ سجدہ رب اکبر کو پسند آتی ادا جس کی
 نئی تہذیب اس نکتہ کو سمجھی ہو نہ سمجھے گی
 ضمانت کون دے سکتا ہو اس کی پائنداری کی
 کبھی دیکھا بھی ہو نقشہ مسلمان کی حویلی کا
 عدد کی چیرہ دستی سے ہر اسان ہو نہیں سکتے
 ہر اک ذرّوں کے سماں کی گردن کو جھکا دے گی
 تصرف اس تغیر میں مرے ذوق یقیں کا ہے
 سبق جس نے پڑھایا لا احب الا فلیں کا ہے
 ازل کی صبح سے پروردہ میری ہی جبین کا ہے
 کہ دنیا کہہ رہی جس کی احتیاج اقرار دیں کا ہے
 مکاں میں جب کہیں کی اینٹ ہو ڈرا کہیں کا ہے
 زمیں جس کا ہو آنگن اوجھت عرش میں کا ہے
 مسلمانوں کے سر پر سایہ رب العالمین کا ہے
 وہ ملت قرعہ جس کے نام پر فتح مبین کا ہے

مرے اشعارِ جاں پرور ہیں اک گلشنِ معانی کا

جو پُراں میں ہو حالی کی تو زندگان میں جس کا ہے

وفادار باپ اور سرکھپرا بیٹا

بیٹے کا مسکاتے جدا باوا کا مشربے الگ
 آزادئی کا لگا گھر قیدِ فرنگ اس کے لئے
 گریبا کے پوچھا باپ نے یہ تو بتاے ناخلف
 گاندھی کو لٹکتا گاؤ پر ترجیح کیوں دیتا ہے تو
 غالب کے لفظوں میں کہا بیٹے نے منہں کر باپ سے
 ہر کس کہ شد صاحبِ نظر دینِ بزرگانِ خوش نہ کرد

لاہور۔ ۹۔ دسمبر ۱۹۴۷ء

ہٹلر کی چال اور اس کا ایک ہی ٹوڑ

چھتری جن سے مغرب میں ہو جنگ غی و باطل
عرب بن لے کہ انگریزوں کی جاں ہو میری مٹھی میں
نکل کر بیچ نہیں سکتے یہ میری آبدوزوں سے
شکست فاش سحر و برہیں دے کر ان کی فوجوں کو
فلسطین عراق و شام کے دن پھرنے والے ہیں
میری امداد حاضر ہو عرب ہوتا ہے کیوں بدل

یمن ہو یا عراق و مصر ہوں اچھی طرح سن لیں

کہ آساں مرنے والی ہو بہت جلد ان کی ہر شکل

پڑا ہو غلغلہ ہٹلر کی اس منطق کا برلن میں جسے لندن سمجھتا ہوگا محض اک سی لاف

بدل جانے سیاست کی فضا چٹکی بجاتے ہیں

یہی باتیں کہیں گے ریڈیو پروٹسٹن چرچل

لاہور - ۱۰ دسمبر ۱۹۴۰ء

ہندوستان کی مشترکہ زبان

ٹاکٹر سرنگل چند ناننگ ایک نکتہ رس ادیب ہیں۔ عربی بھی جانتے ہیں اور اردو میں انہیں
 دہی دسترس ہے جو سرسینج بہادر پیر کو ہے لیکن پنجاب کی شوخی قسمت سے انہیں کٹر ہما
 بھائی واقع ہوئے ہیں۔ اس لئے اٹھتے بیٹھتے سمیتے جاگتے اردو کے حق میں جامع و
 مانع کالیاں تصنیف کرنا اور ناگری ہندی کے میٹھے اور سلونے گن گانا آپ کا مذہبی
 فرض ہو گیا ہے۔ آج سے چودہ سال پہلے آپ کو اردو سے اتنی نفرت نہ تھی جتنی اب
 ہے۔ چنانچہ آپ کی فرمائش پڑ سیر کسان کے عنوان سے میں نے چھ شعروں کی ایک نظم
 لکھی تھی جسے آپ نے بے حد سراہا تھا۔ اس نظم میں آپ کی ضیافت طبع کے لئے

آج تین اشعار کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہوں:-

دل فروزا بشار دل میں لانا مغز اول میں	گزار ہی میں تباہی کی فرصت کہ ہمارے دل میں
جنوں پرور تھے نغمے طائر کے شاخاں میں	ہم آغوش صبا تھی نکبت گل کی سیستی
فلک بوسہ افشاں جن کی بریلی قطاروں میں	کھنچی تھی سامنے زنجیر سر جیون پہاڑوں کی

نیم آنی فضائے خلد سے اور بے حجاب آنی
 منازل ارتقا کے ٹہنیوں پر کر رہے تھے طے
 الہ العالمیں معبود ہے ہم بے نوا اول کا
 کرن سورج کی چمکی ہو کے غریباں جوتباروں میں
 جناب داروں کے جد امجد دیوداروں میں
 جناب مالوی ہیں آپ کے پروردگاروں میں

میں سو جاں سے ہوں شیدا اُس نگارِ نازِ مسلمان
 وہ اُردو جس کی ٹولی کو دیا ہر شیخ نے کندھا
 مراد جس نے چھینا ہر اشاروں ہی اشاروں میں
 کسی تھا برہمن کا بھی شمار اُس کے گماروں میں
 ملا سکتی ہے ہندو کو مسلمان سے یہی اُردو
 مری یہ نظم جاں پرور ہے جس کے شاہکاروں میں
 لاہور - ۱۱ - دسمبر ۱۹۲۷ء

جلالہ الملک عبدالعزیز ابن سعود

حرم والوں کی جمعیت پریشاں ہو نہیں سکتی
 پسند آیا ہر بت کعبہ کو پانچوں نمازوں میں
 روایات سلف میں جان الی اس کے ایمان نے
 وہ جس بنوہ صد سالہ دولت کے مینوں ہیں
 عرب کو ایک مرکز پر سیادت لائے گی اس کی
 نشان بردار بنی ہو کر وہ ٹکرا یا ہو باطل سے

کہ ہر اس دور میں شیرازہ بند ابن سعود اس کا
 قیام اس کا قعود اس کا رکوع اس کا سجود اس کا
 ذیل آخریں ہے صدی اول کی وجہ اس کا
 مقدم ہو چکا ہے روز اول سے خلود اس کا
 علم لہرائے گا اس کی فضا پر دیروز و اس کا
 لرز جاتے ہیں سن کر طنطنہ گبر و یہود اس کا

شریعت کی نگہبانی ہوئی ہو جس کو ارزانی
 نہ کیوں پھر ساتھ دے ہر حال میں بیت و اس کا

لاہور - ۱۲ - دسمبر ۱۹۴۰ء

پتہ کی باتیں

ماحول کی فضا نہیں لہا حول سے بلند مؤین کی شان ہو کہ ہو ماحول سے بلند
پھرتا نہیں ہو قول سے مرد خدا کبھی انساں کا مرتبہ ہو اسی قول سے بلند
تکبیر کی گرج میں دبی اوم کی پکار ہے شور توپ نالہ پستیل سے بلند
انگریز نے اطالویوں کو بھگا دیا یہ سرہ ہے وہاں ابوالہول سے بلند

روما کے منہ کو لال کیا جس نے مصر میں

لندن کا مرتبہ ہو اسی دھول سے بلند

لاہور - ۱۳ - دسمبر ۱۹۴۰ء

”ویر بھارت“

سنا تینیل کی بھاجی ہفتی الونی ترستا تھا مذک کو ”ویر بھارت“
 سیاست سے نہ تھا اُس کو سرویکا تعلق کی وہ کرتا تھا تجارت
 سکھائی جس نے اُس کو راج نیتی وہ تھا میرا ہی اندازِ ادارت
 مری ہی گرمی خوں کی ہے اولاد ہر اک اُس کے مقالہ کی حرارت
 مری ہی شہزادوں کی گودیوں میں ہوئی پل کر جواں اُس کی شرارت
 جو اچھے ہونے اس اخبار کے بھاگ نہ ملتی تاز کو اس کی ادارت
 بس نفرت کا بس ہے جس کے من میں بھری ہے جس کی آنکھوں میں تجارت
 گدھے کو طوق زیب مل رہا ہے مری محنت گئی افسوس اکارت

صلہ کیا دوں میں اُس کی گالیوں کا

انوکھی ہے یہ کلجگ کی بھارت
”زمیندار“

فوجی بھرتی

پنجاب اسمبلی میں ڈاکٹر سرگول چند نانگ کی تقریر

ڈاکٹر نانگ کی تقریر کا سننے سے مفاد
انتظام اس ملک کا ہو جائے گرمیرے پٹر
کون ہو ورنہ آشرم کے قید خانے کا سپر
کیون ہی تیغ آنا بھرتی ہوں ہندی فوج میں
جب کہ مضمراں کی فطرت میں بھی یہ فوجی شعور
راگھوڑوں ہی کی طرح انساں میں بھنگی ادھڑا
میرے فوجی مشوروں پر گر کیا جائے عمل
سب کوڑے سینے والوں نے ہی ہر جس کی داد
ہوں روایات کہن کے سارے دفتر کا ڈھور
مجھ سے پٹی جانہیں سکتی منوجی کی نکیر
تیرے تھے باپا جن کے خوں کی موج میں
جنگ کے میدان کیوں بنیوں کو رکھا جائے دیر
کیوں نہ وہ بھی لاکھ پہ جائیں قطار اندر قضا
مشکلیں چکی بچاتے میں ہوں انگریزوں کی حل

دس برس میں شیر گیدڑ کو بنا سکتا ہوں میں
یہ کرشمہ سکرٹ در کو دکھا سکتا ہوں میں

ہندوستان پر مسلمانوں کے احسانا

مسلمان جب آئے ہندوستان میں تو آئے تمییز کا احسان بن کر
 جلو میں تھی دونوں جہانوں کی حرمت وہ آئے خداوند کی شان بن کر
 وہ اخلاق اسلام کا تھے نمونہ وہ آئے بلالؓ اور سلمانؓ بن کر
 کوئی جا کے دے ہندوؤں کو سنیہ خداوند عالم کا فرمان بن کر
 فرشتے نہیں سجدہ کرنے لگیں گے
 دکھا دو مگر پہلے انسان بن کر

لاہور ۱۸ دسمبر ۱۹۴۰ء

گھنٹی اور گھنٹہ

دیر بھارت کے ایڈیٹر لالہ ناک چند نے ایک خرافاتی نظم لکھی جس کا ایک شعر یہ تھا:

عرب میں جا کے بھرے پیٹ اُس کی ریت ہے

سندھیہ بھیجا ہر اک اڈنٹ کی ٹلی نے اُسے

گھنٹہ کو پنجابی میں ٹلی کہتے ہیں۔ تنازع کی ضرورت شعری نے ٹلی کی تشدید کو اڑا کر اُسے ٹلی کر دیا

اس کا جواب اشعار ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:-

ہے دہلی ولا ہو رہیں اس بات پہ ٹنٹا

پھر کہیں نہ بجاتے وہ ہمارے دیو کا گھنٹا

گھنٹی کو جو ٹلی کہے کیوں ہو نہ زٹلی

ٹلی کو بھی جب تنازع ٹلی نظم میں باندھے

لاہور - ۲۰ دسمبر ۱۹۴۰ء

سالہ ۱۹۲۰ء کا کرمس

صلح سے بیزار ہے اور جنگ کا دلدادہ ہے
کیا منائیں گے نصاریٰ جشن میلاد مسیح
دل کے ہر گوشہ میں رکھتے ہیں مسیحیت سے
گنبد گردن گرداں سے یہ آتی ہے صدا
ہم مسلمان ہیں کسی سے دشمنی رکھتے نہیں
گر غم عالم فراواں ہے تو کیا غم ہو ہمیں
کب بھٹک سکتے ہیں سیدھی راہ سے اہل حرم
اپنے خوں کا آپ پیاسا ہر فرنگی زادہ ہے
بچہ بچہ جب کہ یورپ کا فساد آباد ہے
منہ سے کہتے ہیں مسیحا من کا شہزادہ ہے
کل وہی استاد ہو گا آج جو افتادہ ہے
صلح کل مسلک ہو اپنا اور دشمن زادہ ہے
جن کے ساغر میں خستہ عرب کا بادہ ہے
جب کہ اُن کے واسطے توحید میل جاہ ہے

ہاتھ میں تلوار ہوا دہل میں ہونوٹ خدا

یشہری تہذیب کتنی دل نشیں اور سادہ ہے

لاہور۔ ۲۸۔ دسمبر ۱۹۲۰ء

۱۹۴۰ء کا سرکس

چلتا نہیں انگریزوں پہ فسطائیوں کا بس
کم سخت سولینی کو کیا اس کی خبر تھی
تفہیم بدل سکتی نہیں بدگٹھروں کو
غارتگری اس کی تھی مثال آپ ہی اپنی
روکا اسے چرچل نے تو چپ بھلی اُس نے
بے گور و کفن چھوڑ کے بھاگا جسے رن سے
روکے سے نہیں رکتی ہے یغارتجاشی
پیغام فنا اُس کے لئے بام فلک سے
خود اپنی مصیبت میں گرفتار ہیں نازی
کے ہاتھ میں بنجوا کہہ ہی اس کی ہواذقات
روما کے دھنوں کی بکر کو ددھکا کر

لاہور

۳۰ دسمبر ۱۹۴۰ء

جانا ہے سن انیر

۱۱ دسمبر ۱۹۴۰ء

داراپور

بہ تقریب رسم دستار بندی راجہ افضل ہمدی خاں فرزند راجہ طالب ہمدی خاں مرحوم

ہوئی شیرازہ ہمدی جب شرافت کے قبالوں کی
وہ اس اقبال پر در سر زمیں کے بسنے والے ہیں
سکندر چل کے آیا تھا کنارہ آبِ جہلم تک
خدا کے فضل سے آج اس گھر کی زینت ہیں
نہ دیکھا ہوا گران پر نزولِ رحمت باری
ہیں ان کی تیغ جو ہر کے آفاق میں چرچے
فضیلت کی سند بخشی گئی افضل ہمدی کو
وہ دستار سج باندھی جائے گی افضل کے سر پہ

تو جنہو الہیں تھی نسل داراپور والوں کی
نہیں جس میں کسی کشور کشاؤں کی مثالوں کی
کہ اس کو جستجو تھی آبِ حیا کے پکھالوں کی
کبھی ذوق تھی جن سے مندوں کی دھڑالوں کی
تو کیفیت کبھی دیکھو بڑے مہینہ کے جھالوں کی
ہر قائم ان سے ہدیت پلٹنوں کی ڈھالوں کی
مرتب جب تھی فہرستان کے نوہالوں کی
لگادی ہر زمانے جس میں کلغی اپنے بالوں کی

یہ فیض صحبت علامہ شبلی کا صدقہ ہے

کہ دنیائے ادب میں ہر میر مقالوں کی

جہلم ۱۹۴۰ء

نئے سال کی نئی چھلچھڑیاں!

پاکستان

جا کے وزیر ہند سے پوچھو گئے ہے پہلے یا انسان
 بوجھ سکیں گے وہ یہ تجھارت ہند کی مشکل ہو آسان
 کہہ دو یہ جا کر برہمنوں سے کچھ تمہیں اس کی بھی ہے خبر
 ہند میں اُونچ اودینچ کی لعنت چند ہی دن کی ہو مہمان
 گاندھی وسا ور کر ہوں کہ ایمری ہم سے اُلجھ کر لیں گے کیا
 غرم ہمارا ٹل نہیں سکتا بن کے رہے گا پاکستان
 جس میں نہ ہو گا آدمیوں سے جانوروں کا سا برتاؤ
 جس کی فضا میں دیکھے گی دُنیا پرچم اسلامی کی اُٹان
 ترکی و ایران شام و فلسطین مصر و حجاز و نجد و عراق
 سب ہیں جواک تسبیح کے دانے سے یہ مہم کا احسان

غلغلہ آزادی کامل ڈال کے مشرق و مغرب میں
طوق غلامی توڑ کے رکھ دے ہے یہ مسلمان کی پہچان

جمہوری ووٹ

تین سو ساٹھ ووٹ اُدھر اور فقط ایک ووٹ اُدھر
عرصہ انتخاب میں بت نے خدا کو دی شکست
ووٹ ہی پر ہو جب مدار بست و کشاد ہر یک

تو ہی بتا دے اے خدا چاہیں کدھر خدا پرست
مست مئے الست کو بخش وہ زور حیدری

زیر ہوں جس کی ضرب سے آذریاں چیرہ دست

نئے سال کا ڈنگل

ہندو سمجھا لٹھیت ہے اور کانگریس سچیت
دونوں کی شکستیاں ہیں مسلمان کی تاک میں
ڈر ہے اگر انہیں تو ہے جیتنا کے داؤں کا

ایسا نہ ہو کہ اُن کو ملا دے وہ خاک میں

لاہور - یکم جنوری ۱۹۷۱ء

سال نو کا پیام

دنیا کی محفلوں سے گراگتا گیا ہے جی بنے کے واسطے کوئی صحرا پسند کر
 جلوے سمیٹ معرفت کر دگوار کے آوازہ دنیافتدائی بست کر
 صحرا کے ذرہ ذرہ سے پیدا کر آفتاب شبنم کے قطرہ قطرہ میں قلزم کو بند کر
 سب تیری حاجتوں کا جب اسلام ہو کفیل ادھام کو حالہ پاشند و ژند کر
 توحید کا وقار رہے جس سے ہر تزار اپنے لئے پسند ہر ایسا گزند کر
 تجھ کو خرید لیں نہ کہیں دے کے دوہاں کم ہے یہ نیرخ اس کو کم از کم دو چند کر
 ہندوستان میں صبر ہے قائم مقام جبر اس نسخہ سے علاج دل درو مند کر
 وروہا کے لئے خدا نہ گھٹا درجہ شیر کا
 بیشک بلند مرتبہ گو سفند کر

لاہور - ۳ جنوری ۱۹۴۱ء

خدائے عطا کیش و بندہ خطاکوش

پیغامِ اتحاد دیئے جا رہا ہوں میں کوششِ مصلحت کی کئے جا رہا ہوں میں
ہے تار تارِ پیرہنِ عزتِ وطن یہ جامہ دریدہ سے جا رہا ہوں میں
خیمِ خانہ الست کی جس میں ہیں مستیاں وہ بادۂ دو شبینہ پٹے جا رہا ہوں میں
پھیلا کے انجمن میں چراغِ حرم کا نور گل کرنے باقی سارے دنے جا رہا ہوں میں
بدترہ ہوت سے بھی غلامی کی زندگی پھر کیوں غلام ہو کے جئے جا رہا ہوں میں

ہے نقدِ مغفرت کفِ پروردگار میں

جنسِ گنہِ بغل میں لئے جا رہا ہوں میں

دہلی ۲۰۔ فروری ۱۹۳۱ء

سر عبد الرحیم

صدر مجلس وضع آئین و قوانین ہند

۱۲ مارچ ۱۹۴۱ء کو جب میں نے مجلس مرکزیہ وضع آئین و قوانین میں فنانس بل پر

تقریر کی تو برسبیل نفن ان اشعار سے بھی ایوان کی تواضع کی گئی۔

صدر میں قانون کے ایوان کے سر عبد الرحیم	جس کے ہر گوشہ پر کہتے ہیں نظر عبد الرحیم
حق شناس و حق شعار و حق نواز و حق پرست	ڈھلچکے ہیں سینکڑوں باطل کے گھر عبد الرحیم
کانگریس ہو لیگ ہو ہندو ہوں یا انگریز ہوں	دیکھتے ایک آنکھ سے ہیں سب سر عبد الرحیم
بات اگر سچی ہو اور کہنا ہو اُس کا ناگزیر	سب میں کہہ دیتے ہیں خوف و خطر عبد الرحیم
مجلس وضع قوانین میں ہو بھٹیادول کا رنگ	میر مجلس ہوں نہ قسمت سے اگر عبد الرحیم
پہنچتے ہیں جب ہلا کر اپنی وارھی سنت سنگھ	اُن کو بتلاتے ہیں فرق خیر و شر عبد الرحیم

صدا بطہ کو توڑتا ہو اگر حکومت کا غور

اٹھ کے ہو جاتے ہیں خود اس کے سر عبد الرحیم

ملیا ریسمیں کیرو و ظفر اللہ خاں
 میکسول ہوں ٹائسن ہوں یا گلوتے ہیں چپ
 نعرہ لاغیری کا اوگلوئی لگاتے ہیں، مگر
 اک طرف کالوں کی ہٹے اک طرف گولوں کی
 لے کر ان سے کھاؤ پاڑ پھر غریب صاف کے
 چو کڑی بھولیں نہ ہوں گراہ بر عبد الرحیم
 کہتے ہیں لکڑا کر جب آڑو عبد الرحیم
 کر نہیں سکتے قید اس کا اثر عبد الرحیم
 لائے ہیں دونوں کو سیدی براہ پر عبد الرحیم
 پلے جن کو رہے ہیں عمر بھر عبد الرحیم

انتظار آنا دہلی کا اس کرسی کو ہے

جلوہ گر میں جس پہ با صد کرو عبد الرحیم

۱۵ سر جی ریسمین وزیر فنانس

۱۵ سر داسا می ملیار وزیر تجارت

۱۶ سر محمد ظفر اللہ خاں وزیر قانون

۱۶ کیرو وزیر امور خارجہ

۱۶ ٹائسن وزیر تعلیمات

۱۶ سر ریجنلڈ میکسول وزیر امور داخلہ

۱۶ مسٹری۔ ایم جی اوگلوئی معتمد اوائج ہند

۱۶ سر اینڈریو کلو وزیر مواصلات

دہلی ۱۴۔ مارچ ۱۹۴۱ء



قانون مکافات

جب مسجد لاہور کو سکھوں نے گرایا انگریز کے قانون کی گینتی کی مدد سے
 پنجاب کے گھر گھر میں مچا شور قیامت سن کر جسے مڑے بھی نکل آئے لحد سے
 اللہ کی غیرت کو بیکار کیا ہوئی جنبش اس ظلم کو دیکھا جو گزرتے ہوئے حد سے
 گرجا قلب پہ گردوں گیموں کی ہوئی بارش اور حصہ ملا ان کو بھی تہذیب کی مدد سے

بطحا سے ندا آئی کہ بچپن نہیں ممکن
 اللہ کے قانون مکافات کی نزو سے

دہلی ۱۹-۱۰-۱۹۴۷ء